

جوہر پبلکیشنز

تاریخ آزاد پٹھان

جلد دوم



مؤلف

اللہ بخش یوسفی

پیش لفظ

مسٹر جسٹس حبیب اللہ خان



محمد علی ایجوکیشنل سوسائٹی پبلیشرز کراچی

آزاد پٹھان قبائل

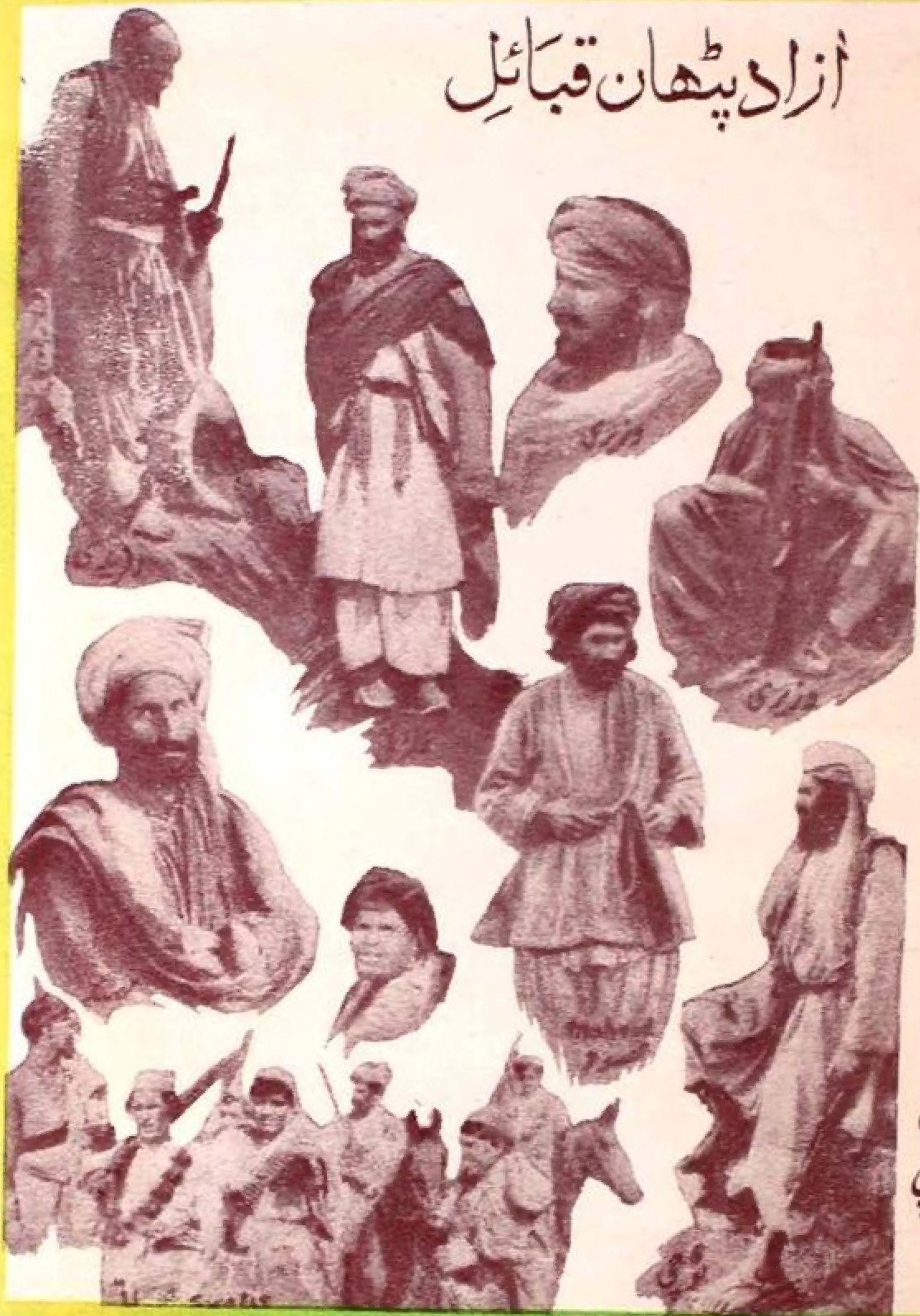
جلد دوم

اللہ بخش
یوسفی

پیش لفظ
مسٹر جسٹس
حبیب اللہ خان

قیمت
تین روپے

محمد علی ایجوکیشنل
سوسائٹی کراچی
۱۹۵۵



تاریخ آزاد پٹھان

سلسلہ مطبوعات جوہر پبلکیشنز

جملہ حقوق بحق مولف محفوظ ہیں

عباسی لٹریچر آرٹ پریس فریڈوڈکراچی

۱۹۵۹ء

بار اول

قیمت
۳۰/-

معنون

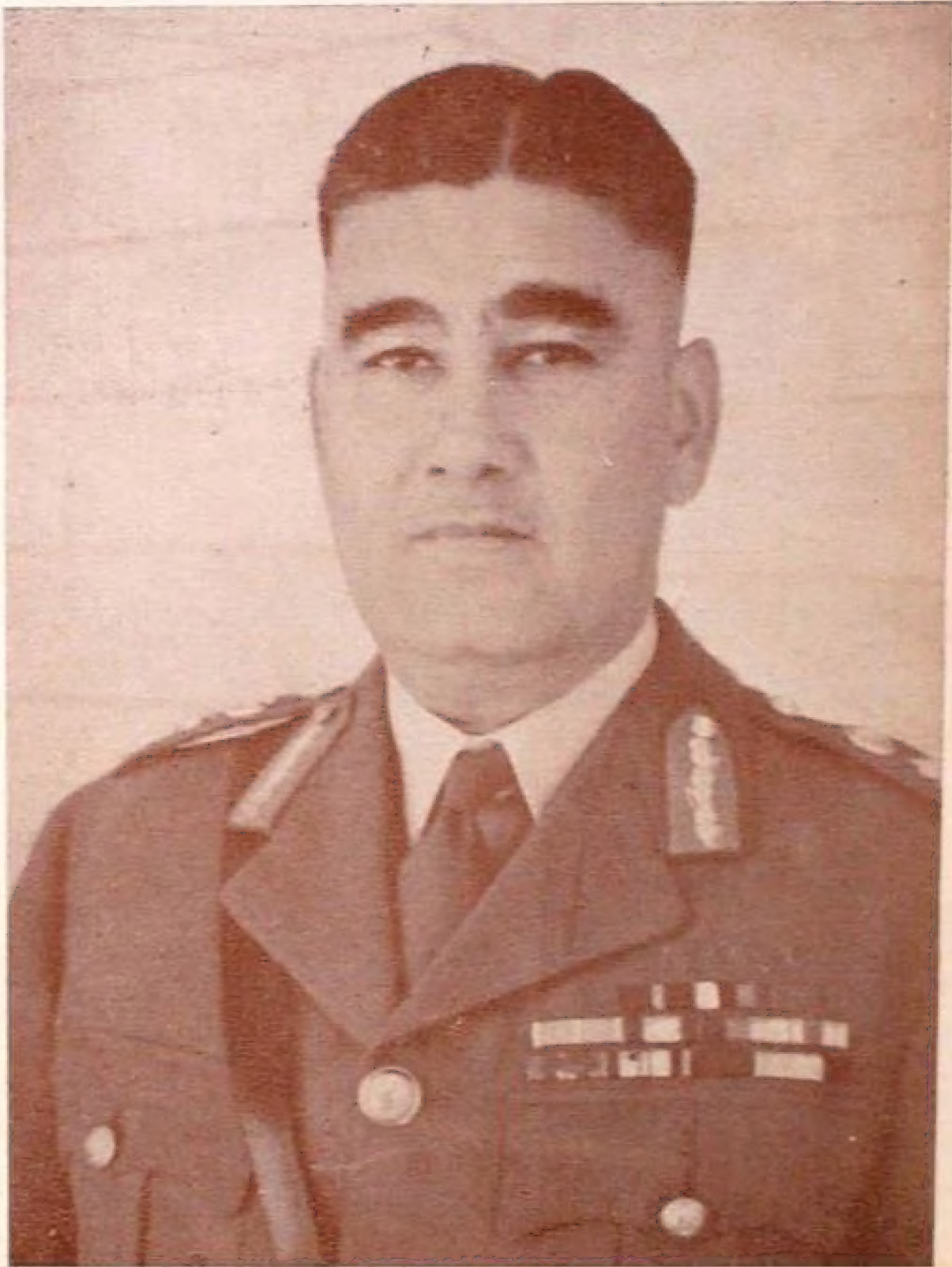
بنام

جنرل محمد موسیٰ خان

کمانڈر انچیف

بڑی افواج پاکستان

گھر قبول افتدز ہے عز و شرف



★ جنرل محمد موسیٰ خان ★
کمانڈر - ان - چیف - بری افواج پاکستان

عرض حال

جلد دوم

تاریخ آزاد ٹیچان جلد اول کو جو مقبولیت حاصل ہوئی وہ اس سے ظاہر ہے کہ دوسری جلد شائع کرنے سے قبل ہم جلد اول کو دوبارہ شائع پر مجبور ہوئے تھے اور دوسری جلد کی اشاعت کو التوار میں ڈال دیا گیا تھا جسے اب حاضر خدمت کیا جا رہا ہے۔

پہلی جلد کے طبع ثلثی کو وہی مقبولیت حاصل ہوئی جو طبع اول کو حاصل ہو چکی تھی کتاب ہاتھوں ہاتھ لی گئی اور ہمارے لئے اس سے زیادہ اور کیا فخر ہو سکتا ہے کہ صدر مملکت پاکستان جنرل محمد ایوب خاں نے کتاب کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہوئے مولف کتاب کو اپنے عطیہ سے نوازا اور پاکستان کے بری افواج کے کمانڈر انچیف جنرل محمد موسیٰ خان اور حکومت پاکستان کے وزیر بحالیات لفتننٹ جنرل محمد اعظم خان نے اس جدید ایڈیشن کو پسند فرماتے ہوئے دوسری زیر ترتیب جلدوں کے دیکھنے کی خواہش کے اظہار سے حوصلہ افزائی کی اس کے ساتھ ہی مسٹر جسٹس حبیب اللہ خان جج ہائی کورٹ مغربی پاکستان (سپا اور بیچ) نے دوسری جلد کے لئے پیش لفظ لکھ کر ہمارے اقدام کو مزید تقویت پہنچائی جس کے لئے ہم ان

تہہ دل سے شکر گزار ہیں

جلد اول میں پٹھان قوم کے تعارف کے ساتھ خیبر پختونستان کی تاریخ بیان کی گئی تھی اب دوسری جلد میں مزید "تعارف" کے اضافہ کے ساتھ درہ کوہاٹ کے واقعات و حالات پر بحث کی گئی ہے، ساتھ ہی آرٹ پیپر پر چھپی ہوئی تصاویر بھی شامل کتاب میں جو قارئین کی دلچسپی کا باعث ہوں گے۔

"تاریخ" ایک ملی و ملکی امانت ہے، اس کی ترتیب و تیاری اور تحفظ کے لئے باہمی تعاون کی ضرورت ہے۔ ہمیں توقع ہے کہ اس موضوع یا مضمون سے دلچسپی رکھنے والے احباب ہمیں اپنی آراء اور مفید مشوروں سے مستفید فرماتے رہیں گے، ایسی تمام موصول شدہ آراء یا مشوروں پر پوری ہمدردی سے غور کیا جائے گا۔ اور یقین ہے کہ ان کی روشنی میں ہم اس سلسلہ کی مزید جلدوں کو جلد اور بہتر طریقہ پر پیش کرنے کے قابل ہو سکیں گے۔

ناشرین

پیش لفظ

از

مسٹر جس حبیب اللہ خان

جج ہائی کورٹ مغربی پاکستان

پشاور

پیش لفظ

اس صحت اتفاق کے کیا کہنے کہ مجھے ایسی تصنیف کے پیش لفظ لکھنے کے لئے قلم اٹھانا پڑا ہے کہ جس کے مضمون سے نسبتی تعلق ہے تو مصنف سے پرانے سیاسی تعلقات۔ بھائی یوسفی سے سیاسی تعلقات کی ابتداء ۱۹۲۰ء میں ہوئی۔ جبکہ وہ تحریک خلافت کے پرچار میں شمالی ہندوستان کی کوہ پیمانی اور صحرا النوردی کر رہے تھے اور میں اور میرے ساتھی اسلامیہ کالج میں جہاں ہم زیر تعلیم تھے سٹرانک کرانے کے لئے پشاور کے گلی کوچوں میں سرگرداں پھرتے رہے۔

یعنی

ماد مجنوں ہم سبق بودیم درد یوان عشق
اول صبح رفت و مادر کوچہ ہمار سوا شدیم
ستائیں برس تک ہم ہر دو کسی نہ کسی حیثیت سے سیاسی
رشتہ میں منسلک رہے اور خدمت قوم و ملت کے صلہ میں بارہا قید و بند
کی زندگی گزارنا پڑی۔ اگرچہ دسمبر ۱۹۴۷ء کے بعد سے ہمارا سیاسی رشتہ
ٹوٹ گیا لیکن ذاتی اور ذہنی رشتہ آج تک قائم چلا آ رہا ہے اور
اور اسی لئے میں نے ہمیشہ ان کے صحافتی اور ادبی کارناموں میں
بے حد دلچسپی لی ہے اور کیوں نہ لیتا۔



★ مسٹر جسٹس حبیب اللہ خان ★
جج ہائیکورٹ مغربی پاکستان (پشاور بنچ)

بقول غالب

گو واں نہیں پہ واں کئے نکالے ہوئے تو ہیں

کہئے سے ان بتوں کو بھی نسبت ہے دور کی

اس وقت تاریخ آزاد پٹھان کی دوسری جلد پیش نظر ہے افسوس

ہے کہ مجھے عدالتی کام سے اتنی فرصت نہ مل سکی کہ اپنے پرانے رفیق سیاست

اللہ بخش یوسفی کے اس کاوش و محنت کے ثمرہ کو بہ نظر تحقق و اطمینان

دیکھ کر اس پر کوئی طویل ”پیش لفظ“ لکھ سکتا۔ تاہم اس حقیقت کے

پیش نظر کہ انہیں ملت افغانہ سے کہ جس کے وہ خود بھی رکن ہیں گہری دلچسپی

اور دلی لگاؤ ہے۔

بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ تاریخ کا مواد جمع کرنے میں انھوں

نے ان تھک اور کامیاب کوشش کی ہے اور یقین ہے کہ ملت ان

کی اس مساعی کو بہ نظر استحسان دیکھے گی۔

ملت افغانہ کو تاریخ کے ہر دور میں نمایاں حیثیت حاصل رہی

ہے۔ اس نے تاریخ کے ہر دور میں مختلف حیثیتوں سے نام پیدا کیا

وہ کبھی طوق غلامی کو زینب گلو کرنے پر آمادہ نہ ہو سکی اور اپنے وطن

سے نکل کر برسوں دنیا کے دوسرے گوشوں پر حکمرانی کرتی رہی۔ اس نے

کبھی اپنے آپ کو جزا فیانی حدود کا پابند نہ کیا اور علامہ اقبال کے اس

مصرعہ پر عمل پیرا ہو کر کہ ع

ہر ملک ملک است کہ ملک خدائے ماست

دنیا کے ہر گوشے میں دکھائی دینے لگی۔ اس نے ہر ملک کو اپنا سمجھا اور یہی جذبہ

اسلامی تھا جو اسے مشرق و مغرب میں مقیم رکھنے کا باعث بنا۔

ملت افغنہ کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اس قوم نے بہادری، جواہر دہی، حسن اخلاق، لطافتِ صداقت، تعلیمی قابلیت مختصر یہ کہ ہر شعبہ زندگی میں نمایاں حیثیت حاصل کی اور ہر دور میں وقت کے بہترین عالم، بہترین سیاست دان، اور بہترین سپاہی و قائد پیدا کئے۔ اس نے ہر مصیبت کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور ہر ساعتِ راحت سے مستفید ہوتی رہی۔ وہ تو نہ کبھی مصائب و آلام سے گھبرائی نہ خوشی و انبساط کے دور نے اسے آپ سے باہر ہونے دیا۔

قانون قدرت کے مطابق ایام مسرت اور دورِ غم دونوں صدیوں سے پہلو بہ پہلو چلتے رہے ہیں اور ملت افغنہ بھی ان سے نا آشنا نہ رہ سکتی تھی۔ البتہ گزشتہ ایک صدی کا طویل عرصہ (۱۸۴۷ء تا ۱۹۴۷ء) یعنی مغربی پاکستان میں انگریزی راج کا پورا دور اس قوم کے لئے مصائب و آلام کا دور تھا۔ اس یکصد سالہ دور میں انگریز جبر و استبداد کی بارش کرتا رہا اس نے ہر ممکن کوشش کی کہ وہ اس قوم کو تمام خوبیوں سے یکسر محروم کرتے ہوئے صحیح معنوں میں غلام بنادے یا بالفاظ دیگر انہیں خود اپنے وطن میں اچھوتوں کا درجہ حاصل ہو جائے چنانچہ اس قوم پر مسلسل آتشباری ہوتی رہی تاختم و تاراج کی پالیسی پر عمل ہوا پھر اس کے ساتھ ہندو کی امداد شامل ہوئی تو انگریز نے دنیا کے سامنے پٹھانوں کو ذلیل و خوار ثابت کرنے کے لئے وہ ہمہ گیر پروپیگنڈہ کیا جس کا ذکر جلد اول میں بالوضاحت دیکھا جاسکتا ہے اور جس کا ایک انگریز مصنف نے بھی یوں اقرار کر لیا تھا کہ :-

بدقسمت پٹھان کی سیرت نصف صدی سے مصنفین کے ہاتھوں پارہ پارہ ہوتی رہی اور وہ دل کھول کر "عذار" تو بخوار" اور "ظالم" کی اضافیتیں

لگاتے رہے تا آنکہ پٹھان کو بدترین قسم کا وحشی لپکارا جانا فیشن بن گیا ہے اور یہ پروپگنڈہ اس شد و مد سے ہوا کہ اغیار تو اغیار تھے ہی خود اپنے برادران ملت بھی اس کا شکار ہو گئے اور انگریز کے ایک صد سالہ دور حکومت میں بہت ہی کم افراد کو اس قوم کے لئے کلمہ خیر زبان پر لانے کی توفیق ملی۔

ہندوستان اور افغانستان کی متحد تاریخیں لکھی گئیں انہوں نے بھی لکھیں اور بیگانوں نے بھی۔ یہ سب اجماعی حیثیت کی تھیں ان میں عمومی سے ہندوستان اور افغانستان کے معاملات پر بحث ہوتی رہی لیکن افسوس کہ اس علاقہ کی طرف کہ جسے پاکستان کے شمال مغرب میں ”آزاد قبائلی علاقہ“ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے کسی نے توجہ نہ دی اس علاقہ کی تاریخ حقیقتاً تاریخ ہندو افغانستان میں اس طرح گھل مل چکی ہے کہ اسے جدا کر دکھانا آسان کام نہیں۔ رفیق محترم اللہ بخش یوسفی نے اس کام کے سرانجام دینے کی سعی کی ہے اور ان کی تاریخ آزاد پٹھان کی ابتدائی دو جلدوں نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ اس کی اہلیت رکھتے ہیں اور یہ دیکھ کر مسرت ہوتی ہے کہ ملت نے ان کی اس محنت کو عزت و وقعت سے دیکھا ہے۔ پٹھان قوم سے دلچسپی رکھنے والے قابل ذکر حضرات اور مصنفین نے حوصلہ افزائی و نیابت دیئے اور صدر مملکت جنرل محمد ایوب خان تک نے اسے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے مصنف کو اپنے عطیہ سے نوازا ہے۔

مصنف نے پہلی جلد میں ”پٹھانوں“ کے حسب و نسب کے سلسلہ میں طویل بحث کی تھی اور اس قوم کے ”آرین“ یا ”بنی اسرائیل“ ہونے کے

نزاعی مسئلہ کو بالوضاحت بیان کرتے ہوئے خود اپنے لئے ایک جدارہ نکالی اور اس قوم کو آریں اور بنی اسرائیل کے اشتراک کا نتیجہ بتایا تھا زیر نظر جلد میں بھی اس مسئلہ پر مزید بحث کی گئی ہے اور چونکہ یہ مسئلہ کلیتاً صاف نہیں ہو سکا، اس وجہ سے بجا طور پر لکھ دیا ہے کہ:-

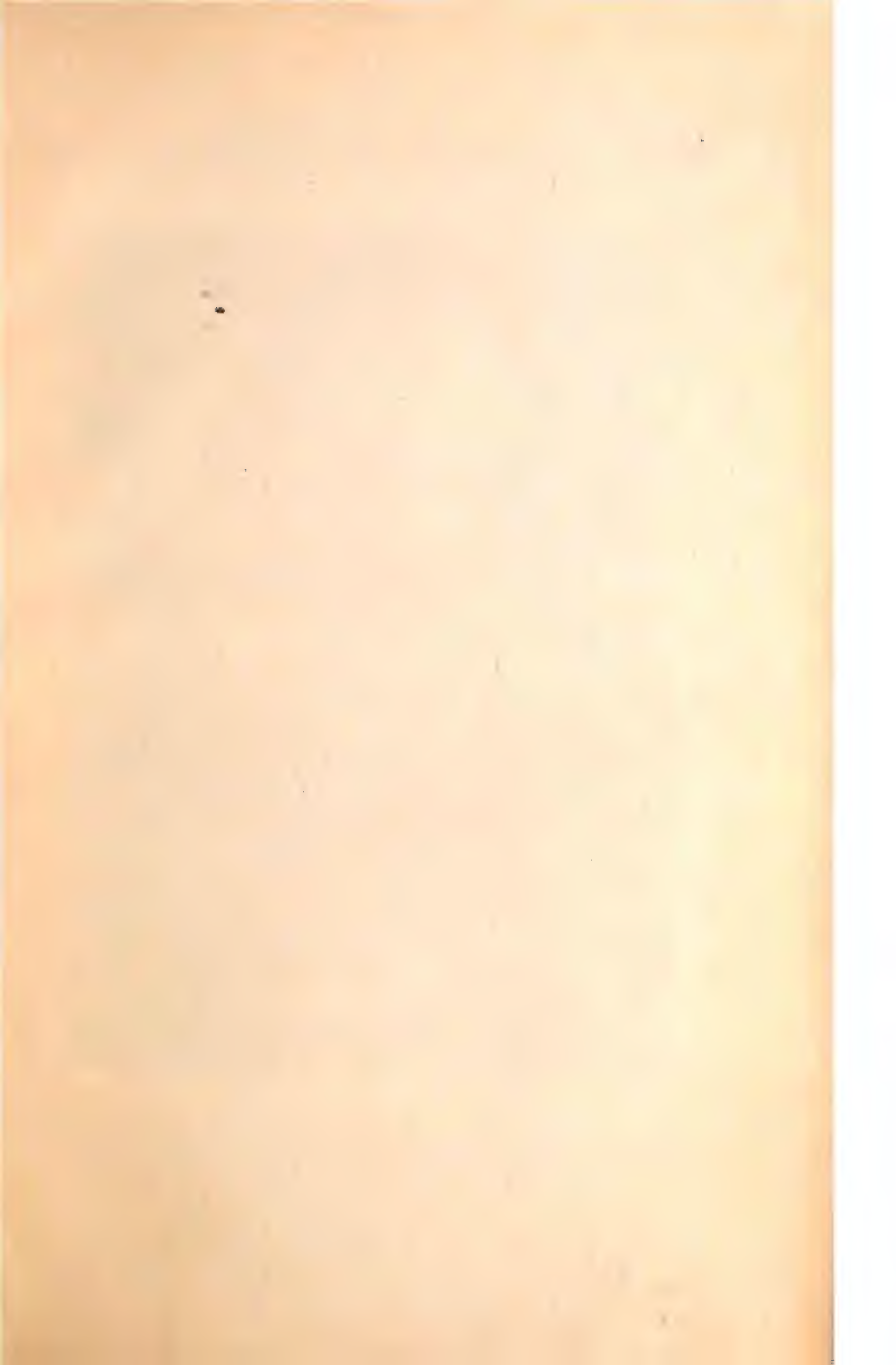
..... ”نہیں کہا جاسکتا کہ مسئلہ اصل نسل افغان جس پر صدیوں سے پردے پڑتے چلے آ رہے ہیں کسی وقت بے نقاب بھی ہو سکے گا، یا محض ظن درائے ہی کے چکر میں یہ مسئلہ یوم الحساب تک علی الحساب چلتا رہے گا اور دو اور دو چار کی طرح کسی وقت بھی یہ نہ کہا جاسکے گا کہ اس قوم کا تعلق بنی اسرائیل سے تھا یا آریں یا ہمارے خیال کے مطابق دونوں سے اور پھر اب تو یہ سوال بھی پیدا ہو رہا ہے کہ حقیقتاً ”آریا“ نامی کوئی قوم اس دنیا میں کبھی موجود بھی تھی یا نہیں.....“

جلد اول میں ”ملت افغانہ“ کو زیر بحث لاتے ہوئے ”خیبر اچنسی“ کی تاریخ بیان کی گئی تھی اس دوسری جلد میں مذکورہ بحث میں اضافہ کے بعد ”درہ کوہاٹ“ کے زمانہ قدیم سے قیام پاکستان تک کے حالات درج کر دیئے گئے ہیں اور بڑی محنت اور کاوش سے ایسے واقعات اور تفصیلات بیان کر دی گئی ہیں کہ جو بڑی جستجو اور ورق گردانی کے بعد ہی حاصل ہو سکتی تھیں۔

رفیق محترم اللہ بخش یوسفی عا دثاً ایسے کاموں میں ہمیشہ ہاتھ ڈالتے کے عادی رہے ہیں کہ جو مشکل دکھائی دے رہے ہوں۔ ۱۹۲۲ء میں جب پرنس آف ویلز کی آمد پر ان کے بائیکاٹ کرنے کا سوال پیدا ہوا اور اس تحریک کو ناکام کرنے کے لئے تمام آمرانہ طاقتیں متحد ہو گئی تھیں تو انھوں نے صحیح معنوں



★ الله بخش يوسفی (مؤلف) ★



میں مٹھی بھر رضا کاران خلافت کو ساکت لئے اس تحریک کی قیادت کی اور قابل رشک کامیابی حاصل کی۔ ۱۹۲۲ء میں اس وقت کہ سرزمین بے آئین و صوبہ سرحد میں کسی اخبار کے اجراء کو آگ سے کھیلنے کے مترادف سمجھا جاتا تھا۔ انھوں نے اخبار "سرحد" جاری کیا۔ پھر ۱۹۳۱ء میں جب پورا ملک جبر و تشدد کا شکار ہوا تو انھوں نے ہندوستان بھر کو سرحدیوں کے مصائب و آلام سے روشناس کرانے کے بعد "ساختہ سرحد" (FRONTIER TRAGEDY) نامی کتاب شائع کی جو حیرت انگیز طریقہ پر بہ یک وقت ہندوستان اور انگلستان میں شائع ہوئی، اس قسم کے اقدامات کے سلسلہ میں حکومت نے مسٹر لوسفی کو بارہا قید و بند میں ڈالا اور اسی خدمات کے اعتراف میں ملت نے انھیں مجلس مرکزیہ خلافت کے نظامت کے عہدے پر بٹھایا۔ مولانا محمد علی جوہر مرحوم نے رائڈنگ میل کالج میں شمولیت کے وقت انھیں مفت سفر رکھنے کی خواہش کی مولانا شوکت علی کی وفات پر مجلس خلافت نے ان کی جانشین کی حیثیت سے مسٹر لوسفی کو بمبئی میں مقیم رکھا اور جب قائد اعظم محمد علی جناح نے ابتداً صوبہ سرحد میں پارلیمنٹری بورڈ قائم کرنا چاہا تو اس خدمت کا اعزاز بھی رفیق محترم کے حصہ میں لکھا تھا۔

مجھے توقع ہے کہ پہلی جلد کی طرح "تاریخ آزاد چھان" کی دوسری جلد کا بھی گرم جوشی سے خیر مقدم کیا جائیگا اور ملت کی بہت افزائی سے وہ اس سلسلہ کی مزید جلدیں شائع کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔ میں ایک دوست کی حیثیت سے انھیں اس کامیاب کوشش پر مبارکباد پیش کرتا ہوں یہ تصنیف محض تاریخ نہیں بلکہ تمام ملت اسلامیہ کے لئے دعوت عمل بھی ہے۔

ادائے خاص سے غالب ہوا ہے نکتہ سرا

صلائے عام سے ماراں نکتہ داں کے لئے،

مندرجات

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	مضمون بنام خبرل	۱۷	۷۲	سکھ اور درہ کوہاٹ	۲۵	۹۶	درہ کی سیاست میں	۹۶
	محمد موسیٰ خان	۱۸	۷۵	آدم خیل فریدی نسب			قبیلہ ننگیش کی شمولیت	
۲	عرض حال	۵	۷۹	درہ کوہاٹ اور بٹانیہ	۳۰	۱۰۰	کوتل پر ننگیش کا قبضہ	۱۰۰
۳	پیش لفظ از مسٹر	۷		۱۸۴۹ء تا ۱۹۴۷ء			اور اخراج	
	حبیب اللہ خان	۲۰	۸۱	انگریزوں سے پہلا معاہدہ	۳۱	۱۰۰	معاہدہ دسمبر ۱۸۵۳ء	۱۰۰
۴	تعارف	۲۷	۸۲	درہ میں شکر کی تعمیر	۳۲	۱۰۲	قلو مسکن کی تعمیر	۱۰۲
۵	اُردو آریہ آریا ایرین	۳۷	۸۴	درہ میں انگریزوں سے	۳۳	۱۰۳	وادی پوری میں انگریزوں	۱۰۳
	ملت افغانہ کا دور گذشتہ	۴۷		پہلی جنگ			شکر کا اقدام	
۷	امن و چین کا فقدان	۴۷	۹۱	کوتل سی انگریز کا اخراج	۳۵	۱۰۷	معاہدہ ۱۸۵۴ء	۱۰۷
۸	انگریز ہندو اتحاد	۴۸	۹۲	ڈاک سے تعارض	۳۶	۱۰۸	معاہدہ ۱۸۵۵ء	۱۰۸
۹	درہ کوہاٹ	۵۳		نہ کرنے کا معاہدہ			معاہدہ ۱۸۵۹ء	
۱۰	محل وقوع	۵۵	۹۳	درہ کی سیاست	۳۸	۱۱۱	قبائلیوں کی فوجی	۱۰۹
۱۱	آبادی و راستے	۵۷		میں قبیلہ اورک			قرار ۱۸۶۷ء	
۱۲	صنعت و حرفت پیداوار	۵۸		نئی کی شمولیت			دائیں سرے ہند درہ کوہاٹ	
۱۳	مذہب و تعلیم	۶۰	۹۴	قبیلہ جواکی سے	۳۹		میں ۱۸۷۰ء	
۱۴	نظم و نسق	۶۲		معاہدہ ۱۸۵۱ء			قاتلوں کی حوالگی سے انکار	
۱۵	طبی اسناد	۶۴	۹۵	معاہدہ ۱۸۵۳ء	۴۱	۱۱۳	درہ میں شکر کی تعمیر کرنیکی	۱۱۳
۱۶	ابتدائی دور	۶۵	۹۶	کوتل سی اور کرنیوں			پھر مخالفت	
				کا اخراج				

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۴۲	ملک نعیم خان کی سرگرمیاں	۱۱۶	۵۴	ہموں کی تجارت	۱۴۵
۴۳	درہ میں گورنر پنجاب کی آمد	۱۱۷	۵۵	شیوہ سنی مذاق	۱۴۶
۴۴	قبیلہ گد یا خیل بہر	۱۱۸	۵۶	جبر و استبداد کی انتہا	۱۴۸
۴۵	انگریز کا شجوں	۵۷	۵۷	پاکستان کا پس منظر	۱۵۱
۴۶	جواکیوں کے خلاف لشکر کشی	۱۱۹	۵۸	مخصوص حالات کا دور	۱۵۲
۴۷	۱۸۷۷ء	۵۹	۵۹	سرزمین بے آئین	۱۵۶
۴۸	قبیلہ جواکی سے معاہدہ	۱۲۰	۶۰	قونی تحریک میں پٹھانوں کا حصہ	۱۵۸
۴۹	۱۸۷۸ء	۶۱	۶۱	ہندو مسلم اتحاد	۱۵۸
۵۰	معاہدہ ۱۸۹۲ء	۱۲۵	۶۲	نہرو رپورٹ	۱۵۹
۵۱	ننگ کے محصل پر اختلاف	۱۲۶	۶۳	گول مینر کا نفرین	۱۶۱
۵۲	سٹرک کی تعمیر کا آخری	۱۲۷	۶۴	اور پٹھان	۱۶۱
۵۳	معاہدہ ۱۸۹۹ء	۱۲۸	۶۵	قیام پاکستان	۱۶۵
۵۴	قبائلی علاقہ پر ہندوستانی	۱۳۰	۶۶	اورک زئی	۱۶۹
۵۵	تحریکات کا اثر	۱۳۱	۶۷	انگریز کی آمد	۱۷۲
۵۶	عجب خان اور مسلمان	۱۳۳	۶۸	معاہدہ ۱۸۵۵ء	۱۷۳
۵۷	معاہدہ ۱۹۲۳ء	۱۳۸	۶۹	معاہدہ ۱۸۵۷ء	۱۷۵
۵۸	قبائلیوں کی خانہ جنگی	۱۴۳	۷۰	معاہدہ ۱۸۶۹ء	۱۷۵
۵۹	اور انگریز	۱۴۴	۷۱	چند آراء جلد اول	۱۷۷

فہرست تصاویر

۱	جنرل محمد موسیٰ خان	۷	درہ کے ایک مورچہ میں
۲	مشر حبش حبیب اللہ خان	۸	کوہاٹ سے درہ میں داخلہ
۳	مولف (اللہ بخش یوسفی)	۹	مولانا محمد علی جوہر
۴	آزاد پٹھان قبائل	۱۰	قائد اعظم محمد علی جناح
۵	پشاور سے درہ میں داخلہ	۱۱	فرید اللہ (پولیکل افسر درہ کوہاٹ)
۶	درہ میں اسلحہ کی تجارت	۱۲	ایک آزاد پٹھان

ٹائٹل دورنگ

آزاد پٹھان قبائل

آزاد پٹھان قبائل





تعارف



تعارف

”تاریخ آزاد پٹھان“ جلد اول (طبع ثانی) میں تعارف کے زیر عنوان ہم نے پٹھانوں کے ”حب نسب“ کے سلسلہ میں کوشش کی تھی کہ ان محققین کی آراء درج ہو جائیں جو ملتے جلتے افغانوں کو نسلاً آریا سمجھتے ہیں اور ان مورخین کی آراء بھی صفحہ قرطاس پر نقش ہو جائیں کہ جن کی نظر میں پٹھانوں کا تعلق بنی اسرائیل سے ہو اور جو انہیں سامی النسل خیال کرتے ہیں۔ فریقین نے اپنی اپنی تائید میں جو دلائل دئے وہ ہر حیثیت سے قابل احترام و لائق غور و فکر ہیں۔ دونوں نے اپنی طاقت بساط کے مطابق انہیں آریا یا بنی اسرائیل ثابت کرنے میں کوئی کسر باقی رہنے نہ دی۔ اگرچہ اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مورخین اور خود پٹھان مورخین کی اکثریت اسی خیال کی موید رہی ہے کہ پٹھان نسلاً بنی اسرائیل یا سامی الاصل ہیں اور یہ کہ ان کا شجرہ نسب حضرت طالوت علیہ السلام سے جا ملتا ہے۔

ہم نے اس سلسلہ میں اپنے خیالات پیش کرتے ہوئے دونوں سے اختلاف بھی کیا تھا اور اتفاق بھی، وہ یوں کہ ہم نہ تو پٹھانوں کو خالصہ آریا تسلیم کرتے ہیں اور نہ ہی بنی اسرائیل، بلکہ ہماری رائے میں یہ دونوں ان اقوام کے اشتراک کا نتیجہ ہیں۔ اس تاریخی حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ بخت نصر کے عہد حکومت میں بنی اسرائیل کے کئی افراد یا خاندان اپنے وطن فلسطین کو چھوڑ دینے پر مجبور کر دیے گئے تو وہ پھرتے پھرتے کوہ سلیمان کے علاقہ میں جا میٹھ ہوئے تھے اور یہ بھی تاریخی حقیقت ہے کہ کوہ ہندوکش پار سے ایک دوسری قوم بھی نقل مکانی کرتی ہوئی اس علاقہ یا اس کے گرد و نواح میں جا آباد ہوئی تھی۔ رفتہ رفتہ ان میں میل ملاپ شروع ہوا۔ حالات زمانہ نے انھیں آپس میں گھل مل جانے پر مجبور کیا تو وہ ایسے شیر و شکر ہوئے کہ دوی کا نشان ہی باقی نہ رہا۔ رفتہ رفتہ ایک ہی زبان بولنے لگے اور ایک بنی اسرائیل کی نسبت سے اوغان یا افغان کہلائے تو دوسرے پکڑیاں یا پٹھان۔ نتیجہ یہ کہ بالآخر یہ دونوں نام ایک دوسرے کے مترادف سمجھے جانے لگے۔ اور دونوں کے لئے اوغان، افغان یا پٹھان کا استعمال بلا کسی تخصیص کے رواج پا گیا۔ ان حالات میں ہم نے رائے ظاہر کی تھی کہ اس قوم کو خالص بنی اسرائیل یا آریا کی بجائے "آریہ سامی" پکارا جانا چاہئے۔

بلاشبہ ہماری مندرجہ بالا رائے کسی طرح حرف آخر یا قول فیصل کی حیثیت نہیں رکھتی۔ تاریخ کے واقعات، حالات اور مقامات کے سلسلہ میں۔ نت نئی تحقیقاتیں ہو رہی ہیں۔ نئے نئے انکشافات منظر عام پر آ رہے ہیں

نئی نئی معلومات مہیا کی جا رہی ہیں اور تحقیق و تحقیق کے دروازے جس وقت تک کھلے رہیں گے معلومات میں اضافہ ہوتا ہی رہے گا۔ نئے نئے خیالات اور نئے نئے نظریات سامنے آتے رہیں گے اور نہیں کہا جاسکتا کہ یہ ”مسئلہ اسل سل انخان“ جو صدیوں سے موضوع بحث بنا ہوا ہے کسی وقت حل بھی ہو سکیگا یا محض ظن و رائے ہی کے چکر میں یوم الحساب تک علی الحساب چکر کھاتا رہے گا اور کسی وقت بخفی اور دو چار کی طرح یہ نہیں کہا جاسکے گا کہ اس قوم کا تعلق بنی اسرائیل سے تھا یا آریہ سے یا ہمارے خیال کے مطابق دونوں سے اور اب تو یہ سوال زیر بحث آ رہا ہے کہ آیا سلا کوئی آریہ نامی قوم اس صفحہ ہستی پر موجود بھی تھی یا نہیں ؟

عرض کیا جا چکا ہے کہ پٹھانوں کو بنی اسرائیل اور ”آریہ“ دونوں حیثیتوں سے دنیا کے سامنے پیش کیا جاتا رہا اور گو یورپ کے بعض محققین نے اس قوم کے آریہ ہونے کا فرداً فرداً فتویٰ جی دیا تھا تاہم اکثریت اسے بنی اسرائیل یا سامی الاصل ہی ظاہر کرتی رہی۔ عام مسائل کی طرح یہ مسئلہ بھی عمومی حیثیت سے زیر بحث رہا اور کسی وقت بھی خصوصی حیثیت سے اس پر توجہ نہ دی گئی اور یہی اسے کسی ہنگامی ہمہ گیر تحریک کی حیثیت سے زیر بحث لانے کی کوئی کوشش یا سعی ہوئی۔ انیسویں صدی عیسوی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں حالات نے پٹانکھیا یا ملت میں تعلیمی بیداری دکھائی دینے لگی، اس کے انفراد سیر و فی الاصل پر عمل پیرا ہونے، غور و فکر نے دل و دماغ کے بند دروازوں کو کھولنا شروع کیا۔ گرد و پیش پر نظر ڈالنے لگی اور بین المللی

بین الملکی مسائل کے نظارے کو حیرت کرنے لگے تو افراد ملت میں ملت کو بیدار کرنے کا جذبہ پیدا ہوا، دلوں میں نئی نئی امنگیں اٹھنے لگیں، پس ماندگی کا احساس ہونے لگا، غلامی کی زنجیریں اب ناقابل برداشت بوجھ کی شکل اختیار کر گئیں اور انھیں توڑ پھینکنے کے دلوں میں موجزن ہونا شروع ہوئے۔

اس وقت بین الاقوامی سیاست میں انقلاب رونما ہو رہا تھا۔ ملت اسلامیہ کی کشتی جے منہا لے کر کوشش میں سید جمال الدین افغانی اور ان کے رفقاء جان عزیز قربان کر چکے تھے گرداب مصائب میں پھنس چکی تھی۔ خود خلافت عثمانیہ کہ جس پر مذہباً مسلمانوں کی نگاہیں لگی رہتی تھی اپنی حفاظت کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے پر مجبور اور امداد و اعانت کی طلب کار نظر آنے لگی۔ اس آڑے وقت میں اگر طرابلس کے سنوسیوں نے شمشیر بکھڑا کر ملت کی بقا کیلئے سر دھڑ کی بازی لگا دی تو مسلمانان ہند نے عالم اسلام کو بیدار کرنے کا کام خود منہا ل لیا، مختصر یہ کہ مصائب و آلام اور استبداد نے اس قوم کو جھنجھوڑ بھڑوڑ کر بیدار کرنا شروع کیا تو اس کا اثر ہر طرف دکھائی دینے لگا اور پٹھان بھی جو بقول مورخین پیدائشی سیاست داں ہیں اثر لئے بغیر رہ نہ سکے۔ ان کی نگاہوں میں بھی مجاہدانہ خون جوش مارنے لگا۔ انھوں نے بھی زندگی و بقاء کے لئے تگ و دو شروع کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ افغانستان جو سیاسی حیثیت سے انگریز کے زیر نگیں تھا ۱۹۲۱ء میں آزاد ہو گیا۔ لیکن صوبہ سرحد اور قبائلی علاقے کے پٹھانوں کو زنجیر غلامی اتار پھینکنے میں مزید ۴ سال جنگ لڑنا پڑی تو کہیں ۱۹۲۴ء میں وہ طوق غلامی اتار کر آزاد اقوام کی صف میں شامل ہو گئے۔ اور دنیا کے نقشہ میں

حکومت پاکستان کی وسعت دکھائی دینے لگی۔

پٹھانوں کے اس "دور جدید" کا آغاز حقیقتاً ۱۹۲۱ء سے شروع ہوتا ہے جب کہ شاہ امان اللہ خاں نے سربراہان کے تخت ہو کر افغانستان میں اصلاحات کا اجرا کیا، آزاد ملک کی آزاد فضا میں مختلف مسائل زیر بحث آئے، مختلف گتھیوں کو سلجھایا جانے لگا اور دیگر مسائل کے ساتھ پٹھانوں کے اپنی اسر ایل یا آریں ہونے کا سوال بھی زیر بحث آیا۔ گزشتہ سطور میں عرض کیا جا چکا ہے کہ مورخین پٹھانوں کو اپنی اسر ایل یا آریں دونوں حیثیتوں سے زیر بحث لائے تھے۔ لیکن کسی وقت بھی اس مسئلہ کو حکومت کی سرپرستی حاصل نہ تھی۔ عہد شاہ امان اللہ خاں میں جب سردار فیض محمد خان نے (جو اس وقت غالباً وزیر تعلیم تھے) اپنی ایک تصنیف یا تالیف میں پٹھانوں کو "آریا" ظاہر کیا تو اس مسئلہ کو سرکاری حمایت حاصل ہوئی لیکن اس کے باوجود نہ تو یہ مسئلہ عوامی مسئلہ بن سکا، نہ ہی مورخین و علمائے وقت نے اسے کسی خاص اہمیت سے زیر بحث لانے کی ضرورت محسوس کی اور نہ ہی حکومت نے کسی شد و مد سے اس مسئلہ کو عوام پر پھونکنے کا کام اپنے ذمہ لیا۔ سردار فیض محمد خان کو کوئی قابل ذکر حمایت حاصل نہ ہو سکی اور نہ ہی کسی موافق یا مخالف نے اس مسئلہ میں کسی انہماک یا گرج بوشی سے کوئی حصہ لیا۔ البتہ اس سے انکار نہیں کہ سردار فیض محمد خان کی قیادت میں اب یہ موضوع زیر بحث آنے لگا تھا اور مستشرقین کی آراء کو وقعت دی جانے لگی تھی۔

حالات بدلنے کے ساتھ افغانستان کے حکمران بھی بدل گئے۔ جدید حکمرانوں کے عہد میں یہ مسئلہ ایک بار پھر موضوع بحث بنا۔ لیکن اب اس مسئلہ کی اور شدت کے

پٹھانوں کو آریا ثابت کرنے کی ہم شروع ہوئی کہ ریڈیو، اخبارات، مجالس
حتیٰ کہ شاہی تقاریر تک میں یہی ایک ادا سنائی دینے لگی۔ حکومت نے
اس مسئلہ کو وقت کا اہم ترین مسئلہ ظاہر کرتے ہوئے ہر ممکن طریقہ سے اس کی افشائی
اور تشہیق کے خیالات کو جو بارہا سر زمین افغانستان پر سنے جا چکے تھے اور
جنھیں کسی وقت بھی کوئی خاص اہمیت حاصل نہ ہو سکتی تھی اب بطور سند پیش کئے
جانے لگے اور سارا زور اسی پر صرف ہو رہا ہے کہ پشتو زبان چونکہ ”انڈو آریا“
کہلاتی ہے، اس وجہ سے اس زبان کے بولنے والوں کو آریا ہی ہونا چاہئے یا پھر
یہ کہ کسی وقت افغانستان کا علاقہ آریا نہ کہلاتا تھا۔ اس لئے اس کے باشندوں کا
اس وطن کی نسبت سے آریا پکارا جانا ضروری ہے۔

بلاشبہ افغانستان میں یہ مسئلہ یعنی پٹھانوں کو آریا ثابت کرنے کی ہم عہد شاہ
امان اللہ خان میں شروع ہوئی تھی۔ لیکن جیسا کہ ظاہر کیا جا چکا ہے اس نظریہ نے
اس عہد میں نہیں بلکہ اس کے بعد اہمیت حاصل کی۔ قیام پاکستان تک یہ مسئلہ
بلا کسی اہمیت کے وقتاً فوقتاً زیر بحث آتا رہا۔ لیکن اسے کسی وقت کسی اہم قومی مسئلہ
کی حیثیت سے نہ دیکھا گیا اور نہ کبھی اسے کوئی خصوصی حیثیت حاصل ہوئی
البتہ قیام پاکستان کے بعد اس مسئلہ نے اہمیت اختیار کر لی۔ اسے ملت کا ایک
اہم ترین مسئلہ بنا دیا گیا۔ افغانستان کے پشتو ٹوٹوںہ نامی ادارہ افغان ریڈیو
افغانی اخبارات اور متعلقین حکومت نے دنیا کو ہمنا بنالینے کے لئے ان تھک
کوششیں شروع کر دیں اور نوبت یہاں جا رسید کہ ”کوہ ہندو کش“ کے نام
کو تبدیل کر دینا ضروری خیال کیا جانے لگا تھا افغانستان کی ہوائی سروس کو ”آریانا“

کا نام دیا گیا اور تجویز ہو رہی ہے کہ خود اس ملک کے نام کو بدل کر آریانا کر دیا جائے۔ اس کے ساتھ پاکستان اور افغانستان میں بدقسمتی سے پیدا شدہ غلط فہمیوں کو دیکھتے ہوئے بھارت سرکار نے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی افغانستان سے محبت و پیار کی پیشگیں بڑھائی جانے لگیں۔ پٹھانوں کے آریا ہونے کی حمایت شروع ہوئی تا آنکہ بھارت سرکار کے ذمہ دار ارکان بھی جو پاکستان ہندوستان اور افغانستان سے تاجکستان یا پورے ملک کو "بھارت" خیال کرنے لگے ہیں۔ اس نظریہ کی پشت پناہی کرتے نظر آئے کہ "بھارت اور افغانستان" دونوں ایک ہی نسل آریا سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور سب ایک ہی وسیع ملک آریا کا باشندے ہیں۔ ان حالات میں حقائق کی متلاشی نگاہیں افغانستان اور بھارت کی روش کو شک و شبہ سے دیکھتے ہوئے اس الجھن میں پڑ جاتی ہیں کہ کہیں تاریخی تجسس کی بجائے یہ مسئلہ بھی سیاسی اغراض کی قربان گاہ پر قربان نہ کیا جا رہا ہو۔ مذکورہ شکوک کو نظر انداز کرتے ہوئے اس موضوع کو پیش نظر رکھئے کہ اس وقت تک مورخین کی ایک جماعت پٹھانوں کو بنی اسرائیل خواہ کر دیتی رہی ہے تو دوسری جماعت نے اس قوم کے آریا ہونے کا فتویٰ دیدیا۔ اور ابتدا ہی سے یہ دونوں نظریے زیر بحث رہے۔ رفتہ رفتہ ان میں رد و بدل ہونے لگا۔ دنیا

۱۔ بھارت کے کئی ایک ذمہ دار افراد نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ بھارت کے علاقہ میں ہندوستان، پاکستان اور افغانستان تاجکستان کا علاقہ شامل ہے اور دوسری طرف اس کی سرحدیں انڈونیشیا تک جا پہنچتی ہیں۔

کی ہر چیز اور ہر مسئلہ میں انقلاب آیا، نظریے بدلنے لگے، تلاش و جستجو کرنے والوں نے نئی نئی راہیں نکالنا شروع کیں، نئے نئے انکشافات ہونے لگے اور صدیوں کے مصدقہ مسائل نئے رنگ و روپ میں آنکھوں کے سامنے منڈلاتے دکھائی دیتے۔۔۔ نئی نئی بحثیں شروع ہوئیں، طالبان علم نے نئے نئے گوشوں میں تلاش شروع کی۔ چنانچہ ابھی کہ اس مسئلہ کا کوئی آخری فیصلہ نہ ہو سکا تھا کہ ٹیچان بنی اسرائیل میں یا آریا، ایک نئے نظریے نے جنم لیا، جس کے موجد نے اس دنیا میں آریا نسل کے وجود سے انکار کرتے ہوئے اعلان کر دیا کہ کسی وقت بھی روئے زمین پر ”آریا نسل“ موجود نہ تھی۔ اور یہ جس قوم آریا کا تاریکوں میں ذکر آتا ہے وہ کوئی نسل امتیاز نہ تھا بلکہ ایک مذہبی نسبت تھی اور ان لوگوں کے لئے استعمال ہوتی تھی جو ادنیٰ مجود کی پرستش کرتے تھے۔ اور اس اد کی نسبت سے آریا کہلاتے تھے ایسے ہی جیسے محمدی، مسیحی، زرتشتی، یا بدھ وغیرہ یعنی وہ نسلی امتیاز کی وجہ سے نہیں بلکہ مذہبی نسبت سے پکارے جاتے تھے۔

اندریں حالات کہ اس وقت نہ تو وہ معبود اُمر موجود ہے نہ اس کی پرستش کرنے والا کوئی متنفس باقی دکھائی دیتا ہے تو کسی کو آریا یا اُمر کا پرستار کہنا درست جائز نہیں ہو سکتا اور جب اُمر اور آریا دونوں باقی نہ رہے تو لفظ آریا نا کا استعمال بے موقع و بے محل ہو کر رہ جاتا ہے۔

اس نظریے کے منظر عام پر آ جانے کے بعد ٹیچانوں کے نسب کا سلسلہ کہ وہ بنی اسرائیل ہیں یا آریا خود بخود ثانوی حیثیت اختیار کر لیتا ہے اور محققین کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ پہلے اس گتھی کو سلجھالیں کہ اس نظریہ میں کتنی جان ہے

اگر یہ نظریہ تسلیم کر لیا گیا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ ملت افغانہ بلا اختلاف
سامی الاصل تسلیم کر لی جائے گی اور اگر یہ نظریہ مسترد ہوا تو حسب سابق پھر وہی پرانہ
مسائل زیر بحث آئے گا اور دیکھنا پڑے گا کہ آریں یا سامی الاصل ہونے کے جواز
میں کیا کچھ کہا جا چکا ہے یا کہا جاسکتا ہے۔

یہ نظریہ ہلکے ایک رفیق خاص قاضی عبد الحلیم اثر کا پیش کردہ ہے، اس موضوع
پر ان کا ایک مقالہ پشتو اکیڈمی پشاور یونیورسٹی کے مجلہ پشتو میں بزبان پشتو
آلو کے زیر عنوان شائع ہوا تھا، اس وقت دوسری زبانوں میں اس کی اشاعت
نہیں ہو سکی، یہی وجہ ہے کہ وقت کا یہ اہم ترین مسئلہ عمومی حیثیت سے زیر بحث
نہیں آ سکا۔ ہم ذیل میں اس کے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں، تاکہ اردو خواں
اجاب بھی اس سے مستفید ہو سکیں یا اس پر اظہار خیال کر سکیں۔

آر۔ آریہ۔ آریا۔ ایرین

لفظ آریہ کے دو جزو ہیں۔ ایک آد اور دوسرا ی
اس ی پر کھڑی زیر لکھی جاتی ہے (ی) اور بعض لوگ اس
زیر کے ظاہر کرنے کو اس لفظ کے آخر میں ۵ کا اضافہ کرتے
ہیں جیسے سنسکرت کے تلفظ میں آریہ اور بعض اس کے
آخر میں الف مقصورہ بڑھاتے ہیں جیسے آریا اور ی

اس کے آخر میں نسبتی نابڑھادی جاتے تو اسے آدیانا
یا ادینا پڑھا جاتا ہے۔ اس لفظ کے اول جزا کا تلفظ تو بیت ثریف
کے مطابق اُڑ ہے یعنی الف پر پیش ہے، چنانچہ تورات کی ایک
آیت میں مرقوم ہے کہ

”اللہ تعالیٰ نے ابراہیم (علیہ السلام) کو کلدانیوں
کے اُڑ سے نکال دیا“

یہ اُرد کلدانیوں کے ایک شہر کا نام ہے کہ جو عراق میں
مقبر کے نام سے مشہور تھا۔ پہلی دفعہ ۱۸۵۹ء میں اس
سے متعلق معلومات حاصل ہوئیں، بعد میں ”برطانوی عجائب
گھر“ کی ہمت سے ۱۹۲۲ء میں پینسلوانیا یونیورسٹی کے
عجائب گھر کے پروفیسر ڈاکٹر جی ایچ ایگورڈن نے یہ آثار
قدیمہ تلاش کر لئے تو سر لیونارڈ وولی نے جو اس مہم میں ان
کے شریک کار تھے ”کلدانیوں کے اُڑ“ کے نام سے
ایک کتاب لکھی۔ تو اس میں آثار قدیمہ سے دریافت
شدہ معلومات کی بنا پر لفظ اُڑ کے الف پر پیش لکھی
اور دائرۃ المعارف کابل کی کتاب ادینا جلد دوم
صفحہ ۲۸۲ پر بھی لفظ اُڑ ہی درج ہے۔ اسی مصنف نے
آگے چل کر لکھا ہے کہ ”اسی م دین“ یعنی اُڑ کے
بادشاہوں کی نسل دہندیب۔ مصری۔ بابلی۔ عبرانی

اور مقدونیوں سے بھی قدیم ہیں اور آج سے پانچ ہزار
سال پرانی ہیں.....

کلدانیوں نے جو اپنے شہر کا نام ادر رکھا تو
ظاہر ہے کہ یہ ایک لغوی لفظ ہے جو اس امر کو ثابت کرتا
ہے کہ کلدانیوں کی اجتماعی زندگی میں لفظ ادر کو ایسی خاصیت
حاصل تھی جو انہوں نے اسے اپنے ایک شہر کے نام کے
لئے استعمال کیا، اس وقت اس لفظ کی وضاحت کرنا
مقصود ہے۔

اس وقت تک تمام برآمد شدہ آثار قدیمہ
آسمانی کتابوں اور تاریخی محلوں میں اس حقیقت کو تسلیم
کیا جا چکا ہے کہ اس سرزمین پر مختلف اشیاء یا مجسودوں
کی عبادت کی جاتی رہی ہے۔ جن میں نور اور
آگ کی پرستش خاص اہمیت رکھتی ہے

قرآن شریف میں بھی مختلف اقوام کے نور
اور آگ کی عبادت کا ذکر دکھائی دیتا
ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب رشد و ہدایت
ملی اور اس کی ابتدا میں جب وہ کائنات پر غور
فکر کرنے لگے تو قرآن شریف کی اس آیت سے
فَلَمَّا دَاوَى الشَّمْسُ بَازِغَتَهُ قَالَ هَذَا

دَبِّي فَلَمَّا أَفْلَ قَالَ أَحِبُّ الْآفِلِينَ ۝

بھی معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں نور (چاند) اور قدرت کے دوسرے مناظر کی عبادت کرنے کا تصور موجود تھا اور اسی پر حضرت ابراہیم علیہ السلام تنقید کرتے رہے اور بعد میں اس قوم نے جب انھیں اُر (آگ) میں جھونکا تو اس میں بھی وہی ذہنیت کا رفرما تھی اور اس زمانہ میں اُر (آگ) کی وہ لوگ عبادت کرتے تھے تو انھوں نے اس نیت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اُر (آگ) ہی نہ رکھا کہ ان کے عقیدے کے مطابق خود مجبور (اُر) انھیں سزا دیدے

اس کے بعد اثر صاحب نے اُر کے مقابل دوسرے ایسے معبودوں کا ذکر کیا ہے جن کا تعلق نور یا روشنی سے تھا اور مثالیں دیکر بتایا ہے کہ ان معبودوں کی پرستش کرنے والے بھی اُر کی طرح اپنے معبودوں کے نام مقامات اور خود اپنے لئے استعمال کرتے رہے ہیں۔ اور پھر پشتو لفظ اُر اور آگ کی وضاحت میں لکھتے ہیں کہ :-

پشتو زبان کا مروجہ تلفظ اور ہے مگر بعض لوگ الف پر خمہ اشباعی نکھکر اُ بولتے ہیں جیسا کہ تورات میں دیکھا ہے۔ اگرچہ عام طور الف کے بعد و نکھکر الف پر پیش ڈال دی جاتی ہے لیکن صحیح تلفظ وہی خمہ اشباعی بخیر و او کے ساتھ کیونکہ جہاں کہیں بھی یہ دو سکر کلموں میں استعمال ہوا ہے مثلاً اُر مڑ۔ اُدگون۔ اُنیافہ وغیرہ

جناب اثر صاحب کو شکایت ہے کہ :-

دنیا کے بڑے بڑے علماء، ادبا نے لفظ اُرد کی حقیقت
اصلیت پر غور و فکر نہیں کیا اور جہاں کہیں انھیں اُرد
کے ساتھ یا تے نسبتی نظر آئی وہیں اُرد یا نامراد لے لی اور
اسے ایک ملک کا نام قرار دیدیا حالانکہ یہ لفظ پشتو
زبان کا ہے اور جہاں کہیں یہ مرکب شکل میں دکھائی دیتا ہے
مثلاً ایرین تو یہ کسی قوم کا نام نہیں بلکہ پشتو زبان کے
عام قاعدہ کے مطابق پشتو کے نسبتی بن کے اضافہ سے
ایرین پکارا جاتا ہے اور اس سے وہ لوگ مراد لئے جاتے
ہیں جو اُرد کی عبادت کرتے تھے، پشتو زبان میں اس کی
مثالیں مل سکتی ہیں مثلاً خورین، دیشمین، پشتمین وغیرہ

آگے چل کر وہ ظاہر کرتے ہیں کہ بلاشبہ ایرین کسی زمانہ میں ایک قوم کا نام تھا
لیکن یہ نام مذہب کی نسبت سے تھا، اسی طرح کہ جس طرح دوسری اقوام اپنے
مذہب یا عقائد کی نسبت سے محمدی عیسائی وغیرہ ناموں سے پکاری جاتی ہیں۔
اور دریافت کرتے ہیں کہ :-

اگر کوئی مسلمان اسلام کو چھوڑ دے تو اسے پھر مسلمان
(محمدی) نہیں کہا جاسکتا۔ کوئی عیسائی مسلمان ہو جائے
تو پھر اسے عیسائی نہیں کہہ سکتے۔ اسی طرح اس علاقہ میں
کہ جہاں ان دنوں اُرد کی عبادت نہیں کی جاتی کسی شخص کو

کس طرح ایڈین یا آریا کہا جاسکتا ہے؟

پھر اس سوال کی وضاحت میں لکھتے ہیں کہ :-

حقیقت یہ ہے کہ ایک دوسرے اہم مسئلہ پر بھی غور و فکر نہیں ہوئی۔ ہماری زندگی میں چار امور ایسے ہیں کہ انکی نوعیت ایک دوسرے سے جدا بھی ہے اور ایک دوسرے سے متعلق بھی۔ عربی زبان اور عالموں کی اصطلاح میں اسے ”عموم خصوص من وجہہ“ کہتے ہیں اور اگر ان عموم خصوص من وجہہ پر غور و فکر کی جائے تو بہت سی غلطیاں اور غلط فہمیاں دور ہو سکتی ہیں وہ چار امور یہ ہیں :-

(۱) ایک ملک کا اپنا مخصوص نام ہو لیکن اس ملک کے بولنے والے اس کے اصلی باشندے نہ ہوں۔

(۲) ایک ملک میں کوئی مخصوص مذہب رائج ہو لیکن اس کے عام باشندے اس مذہب کے پیروکار نہ ہوں۔

(۳) ایک ملک کی کوئی مخصوص زبان ہو، لیکن اس میں رہنے والے دوسری زبان بولتے ہوں۔

(۴) ایک ملک میں ایسے باشندے ہوں جو زبان تو اس ملک کی بولتے ہوں لیکن نسلاً جدا ہوں

ان چاروں امور کی مثال پیش کرنے کے لئے ہم عرب ممالک کو لیتے ہیں :-

(۱) جزیرۃ العرب میں مقیم وہ لوگ جو مسلمان عرب نہیں ہیں
(۲) حجاز میں امریکن ٹیل کمپنیوں سے تعلق رکھنے والے امریکن
آباد میں لیکن وہ مذہباً عیسائی ہیں۔

(۳) حجاز میں ترک ازبک، قازق، اپنی اپنی زبان
بولتے ہیں

(۴) شام کے علاقہ میں کرد عربی زبان بولتے ہیں لیکن
وہ عرب نہیں۔

مندرجہ بالا تحریر کی روشنی میں ایدین ایک دیرینہ
قومیت تھی جس کی بنیاد مذہب آتش پرستی پر تھی اور یہ
اُس وقت ایدین یا آریہ تھی کہ جس وقت تک اُرد
کی عبادت کرتی رہی اور اس کا ان کے کلہاڑی، آٹھری
تقنیاتی یا بنی اسر ایل بنی طے یا کسی دوسری قوم یا
نسل پر اثر نہ پڑ سکتا تھا۔

لیکن اس کے بعد یہ لوگ ایمان لے آئے اگے انھیں کوئی
ایدین یا آریہ پکارے تو اس کی ایسی ہی مثال ہے جیسے
آج کوئی کسی مسلمان کو عیسائی، یہودی یا ہندو کہہ دے
بلاشبہ اس سرزمین پر ایسے علاقے بھی موجود ہیں کہ

جن کے ناموں میں لفظ آذر موجود ہے اور جہاں آذر کی عبادت
 بھی کی جاتی رہی اور پھر بعد میں لفظی ترکیب سے تو اس نام سے
 موسوم ہوئی مثلاً ارمی آرمی لیکن ان الفاظ کی ترکیب کچھ ایسی ہے
 کہ جس سے یہ شبہ پیدا نہیں ہو سکتا کہ ارمی یا آرمی سے مراد
 وہ لوگ ہیں جو آذر کی عبادت کرتے ہوں اس کی مزید وضاحت
 ہندی اور ہندو کی مثالوں سے ہو سکتی ہے مثلاً اگر کوئی
 شخص کسی کو ہندی پکارے تو اس سے ہمیشہ ہند میں رہنے والے
 مراد لئے جاتے ہیں لیکن ہندو کہا جائے تو اس سے یہی شبہ
 ہوتا ہے کہ بت پرست یا مشرک ہے۔ حالانکہ ہندو کی و
 اور ہندی کی سی دونوں حروف نسبت ہیں۔ اس کی وجہ
 یہ ہے کہ بعض حروف نسبت سے حالت وضعی مراد لی جاتی ہے
 اور بعض سے حالت نوعی پشتہ کے حروف نسبت یا اور
 ہیں سے حالت نوعی ہی مراد لی جاتی ہے مثلاً خورین
 اس مٹی کے برتن کو کہتے ہیں کہ جس کی نوع مٹی ہو۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ نسبتی اسماء میں یہ بھی دیکھنا ہوتا ہے
 کہ منسوب الیہ کیا اگر کسی شخص کو جرمنی پکارا جائے تو ہو سکتا ہے
 اس سے جرمن نسل مراد لی گئی ہو حالانکہ مذہباً وہ شخص عیسائی
 یہودی یا محمدی ہو لیکن اگر یورپ کے کسی شخص کو عیسائی کہہ
 دیا جائے تو یہ پکارنا بھی نسبت سے ہوگی لفظ الیہائی

آرامی اور آریائی میں یہی فرق ہے۔ اریسائی اور آرامی
 سے ارشاد اور آدام کے باشندے مراد لئے جائیں گے
 جبکہ آریائی سے وہی شخص مراد ہوگا کہ جو مذہباً آریہ ہو۔
 محمدی وہی شخص ہے جو حضرت محمد کے دین کا پیروکار ہوگا۔
 اور اگر لفظ محمد کے ساتھ کوئی دوسرا لفظ موجود ہو مثلاً
 محمد آباد کوہاں کے رہنے والے کو محمد آبادی پکارا جائے گا
 تو پھر یہ شبہ پیدا نہیں ہو سکتا اور وہ اس جگہ کا باشندہ ہی
 خیال کیا جاسکتا ہے۔

ان وجوہات سے میرا نظریہ یہ ہے کہ :-

”ایرین یا آریئل کا نام نہیں۔ کل ایرین یا آریہ کے نام سے
 ایک ملت موجود تھی لیکن وہ اُر کی پرستار تھی آج قرآن پاک کے
 مبارک الفاظ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ
 وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ کی روشنی میں وہ دین اور آئین
 ہماری اس سرزمین پر باقی نہیں رہا۔ تو اس علاقہ کو ایرین
 آریہ، اریانا پکارنا ایک اہم علمی و تاریخی غلطی ہے۔“

۱۔ قاضی عبدالجلیل آثر نے اپنے مقالہ میں جس اُر کا حوالہ دیا ہے وہ قدیم اقوام کی روایات کے مطابق ایک مقبوضہ
 کا نام ہے جس کی مندرجہ ذیل رین۔ کلدانیوں کے عہد میں خاص اہمیت سے پرستش کی جاتی تھی اور اسی کی نام
 کی نسبت سے تاریخ کا مشہور شہر اُرد آباد ہوا جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مولد و مکن کہا جاتا ہے۔ یہ شہر

یہ جدید ترین نظریہ ہم بھی ہے اور دلچسپ بھی اہل علم اور تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے افراد ملت کو جغرافیائی قیود اور نسلی امتیازات کو پس پشت ڈالتے ہوئے ٹھنڈے دل سے اس سلسلہ پر غور کرنا چاہئے، ہماری خواہش تو یہی تھی کہ اثر صاحب کے مقالہ کا مکمل اردو ترجمہ شائع کر دیا مگر اس وجہ سے کہ مقالہ از خود نامکمل شکل میں ہے، دوسرے وقت کی تنگی اور قلت گنجائش بھی اجازت نہیں دے رہی ہے تاہم..... اس سلسلہ سے متعلق کہ آ رہی نا

آتش پرستی کا مرکز ہونے کی وجہ سے خاص اہمیت رکھتا تھا۔ ایک قدیم ترین کتاب گنڈا GANZA کے مطابق موجودہ دنیا کی پیدائش سے قبل ایک روشن عالم تھا اور دوسرا تاریک یا سیاہ جس میں ایک معوس ڈاؤن رہتی تھی جسے مندن قوم روحا کے نام سے پکارتی ہے اُد اسی روحا کا بیٹا بتایا جاتا ہے جو بد کرداری یا نحوست میں اپنی ماں ہی کا نمونہ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ موجودہ دنیا کے آفریش سے قبل اسے قابو میں کر لینا ضروری تھا۔ ورنہ یہ دنیا پیدا کرنی ہی مشکل ہو جاتی۔ چنانچہ مذکورہ گنڈا کے قول کے مطابق مندر یا اس کے بیٹے ہابیل نے اُد کو زمین میں ڈال کر بھاری زنجیروں سے جکڑ دیا اس پر پہرے بٹھادے گئے یا ایک دوسری رائے کے مطابق اُد کو اس کی تاریک دنیا میں ہی بند کر دیا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ روشن عالم سے ابے تھو دنائی کسی چیز نے تاریک عالم پر نظر ڈالی تو اس میں اسے اپنی شکل دکھائی دی جس پر اس نے ایک مستقل شکل اختیار کی اور یہ شکل ہابیل کہلائی۔ اس طرح اس ہابیل میں "تاریک عالم" کا اثر پیدا ہو گیا اسے کہا گیا کہ وہ ایک ٹھوس عالم بن کر رہے لیکن وہ اسے اس وقت تک بنانے میں کامیاب نہ ہو سکی جب تک کہ ہابیل نے اپنی کچھ روشنی اس میں داخل نہ کر دی۔ اس سے کچھ حصہ روحا نے بھی لیا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اس تعمیر میں کچھ حصہ اس کے پانی سے بنا تھا۔ ان وجوہات سے ہماری دنیا تاریک مواد سے تیار ہوئی، جس میں ہماری ساری روشنی بھی شامل ہے۔

ہابیل نے روحا کے بیٹوں کو جن میں اُد خاص اہمیت رکھتا ہے چاند اور نظام شمسی کی دوسری اشکال میں تبدیل کر دیا تو انھوں نے ہی آدم کا جسم بنایا اور ہابیل نے "خزانہ زندگی" سے لاکھوں جسمیں زندگی ڈال دی۔ ان روایات سے اُد کی طاقت و عظمت کا پتہ چلتا ہے۔

نسل دنیا میں موجود تھی یا نہ۔ چند اقتباسات کا اردو ترجمہ پیش کر دیا گیا ہے جس سے آغاز بحث کیلئے کافی مواد مل سکتا ہے۔ اگر اثر صاحب اس مقالہ کو مکمل کر کے اس کا اردو ترجمہ شائع کر دیں تو ملت کے وہ افراد بھی ان کے نظریہ سے آشنا ہو سکیں گے کہ جو پشتو زبان سے واقفیت نہیں رکھتے۔

اس جدید نظریہ کو پیش کرنے کے بعد ہم نے اراداً پٹھانوں کے سامی النسل یا آریں سامی ہونے کے مسئلہ پر مزید کچھ لکھنا بدیں وجہ ضروری خیال نہیں کیا کہ اگر اس جدید نظریہ کو تسلیم کر لیا گیا یا اسے مکھنے والوں کی اکثریت نے اپنا لیا تو لازماً صرف مذکورہ دونوں نظریے زیر بحث آئیں گے۔ ایسی صورت میں بہتر یہی ہے کہ جدید نظریہ پر لکھنے والوں کا رد عمل دیکھا جائے۔

ملت افغانہ کا دور گزشتہ

امن و چین کا فقدان | پٹھانوں کو بنی اسرئیل تسلیم کیا جائے یا آریں دونوں صورتوں میں اس قوم کی زندگی پر آشوب دکھائی دیتی ہے۔ تاریخ کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ وقت کے کسی دور میں بھی انھیں امن نہیں ملا۔ ایام زندگی بسر کرنے کی فرصت نہ ملی اگر ابتداءً وہ فلسطین یا کوہ ہندوکش پار کے وطن عزیز کو خیر باد کہنے پر مجبور ہوئے تھے تو بعد میں دنیا کی دوسری قوام نے بھی انھیں اپنے مظالم کا نشانہ بنایا ہر طرف سے ان پر یورش ہوئی۔ ہر اٹھتی طاقت نے انھیں کچل دینا چاہا ہر جابر حکمران نے ان کے گلے میں طوق غلامی ڈال دینے کی کوشش کی۔ لیکن تاریخ کی یہ عظیم بہادر اور زبردست قوم کسی وقت بھی ان مصائب و آلام سے دب نہ سکی اس نے ہر آنے والی استبدادی رو کا شدت سے مقابلہ کیا اور اگر بخت نصیب جیسا حکمران اسے اپنا ہمنوا نہ بنا سکا تو

اس کے بعد ہندو افغانستان کے درمیانی پہاڑی علاقوں میں بھی کوئی طاقت اسے
 غلامی کی زنجیر پہنانے میں کامیاب دکھائی نہ دی۔ تحفظ آزادی کے لئے مٹنے کے جذبہ نے
 اسے ہر حکمران کی نظر میں خار بنائے رکھا اور مشرق و مغرب دونوں اطراف سے اس کے
 اس جذبہ کو ملیا میٹ کر دینے کی ناکام کوششیں ہوتی رہیں۔

غیر توغیر تھے ہی افسوس تو یہ کہ اپنوں نے بھی کچھ کم جو روستم کی بارش نہ کی! اکثر و بیشتر وہ حکمران
 بھی کہ جو اس قوم سے مذہبی تعلق رکھتے تھے جو پٹھانوں ہی کی طرح اسلام کے نام لیا، خدا
 رسول کے ماننے والے اور مذہبی معاملات میں برابر کے شریک تھے اپنے اغراض کے پیش نظر
 اس قوم کو سیاسی قربان گاہ پر قربان کرتے رہے۔ شاہی اغراض کے لئے ان کی قربانیوں کو
 سراہا گیا۔ لیکن اس قوم کی فلاح و بہبود اور ترقی کے لئے وہ کوئی اقدام نہ کر سکے۔

انگریز ہندو اتحاد | جب وہ دور گزر چکا، سات ہزار میل دور سے آتی ہوئی انگریز
 قوم پٹھانوں پر اثر انداز ہونے لگی تو اس کے پہلو میں بتدریج

ہندو جاگزیں ہوا، اب ان دونوں نے مل کر ملت افغانہ کو کچل دینا چاہا۔ انگریز کو حصول
 اقتدار اور وسعت سلطنت کی فکر تھی تو ہندو اپنی صدیوں کی محکومی کا بدلہ لینے کیلئے
 بیقرار تھا۔ چنانچہ جب انگریز نے اپنی طاقت و قوت سے اس قوم کو نیچا دکھانا چاہا تو ہندو
 نے نہایت ہی عیارانہ طریقہ پر پٹھان کی تعریف شروع کر دی۔ انھیں مرد شہسازن ظاہر
 کرنے کے ساتھ جذبہ شہسازنی کی بقا کے لئے شہسازن رہنے کی تلقین کی اپنے آپ کو کمزور و
 محتاج ظاہر کرتے ہوئے پٹھان کو بہادر و نڈر تسلیم کرنے کا ڈھونگ رچا کر اسے یوں سبق
 دیا جانے لگا کہ باعزت پیشہ صرف کھیتی باڑی ہے۔ مرد میدان سوائے کھیتی باڑی کے دوسرا
 کام نہیں کرتے اور اس طرح تجارت، صنعت و حرفت اور دوسرے شعبہ ہائے زندگی

اپنا اور اپنا آقا یا ن ولی نعمت کے نام مخصوص کرالیے، باقی رہی تعلیم تو وہ حصوں میں تقسیم ہوگئی، قدیم و جدید، چونکہ ملت کو شمیر زنی سے فرصت نہ مل سکتی تھی اس وجہ سے تعلیم قدیم یا بالفاظ صحیح مذہبی تعلیم کو ایک خاص طبقہ کے قبضہ قدرت میں دیدیا گیا اور اخبار کی چاب باز یوں کا شکار ہو کر تعلیم جدید کو ”کافروں کا علم“ پکارنے لگے۔ ان حالات میں اس قوم کیلئے زندگی گزارنے کو دہی راستے باقی رہ گئے تھے کہ یا تو کھیتی باڑی کرے یا شمیر زنی اور اگر کھیتی باڑی کیلئے پھر زمین ہی میسر نہ آئے تو حالات سے مجبور ہو کر وہ سب کچھ کر گزرے کہ جو قبلے حیات کیلئے ضروری ہو۔ کہ اگر شریفانہ طریقہ پاس نے کھیتی باڑی ہی شروع کر دی تو ہمارے ہندو برادران وطن موجود تھے جو ہاتھ جوڑے ہوئے ہر وقت ہر خدمت کیلئے تیار نظر آئے انھیں ”خان صاحب“ خان صاحب کی رٹ لگانے میں کوئی عار نہ تھی، سخت مست سے لینے میں کوئی ذلت نہ تھی مطلب کسی کا مقصد یہ تھی یا ٹھکان کا مشغلہ، ہندو اس کا خزانچی بن بیٹھا، زمین سے اگلی ہوئی دولت اس خزانچی کے پاس جمع ہو جاتی رہی، پوری ملت اس اقلیت کے ہاتھ میں تھی پٹھان مالک ہوتے ہوئے گاؤں کے بنیاد کا محتاج رہا، اپنی دولت، اپنا مال، اپنی ضرورت کے لئے ہندو سے مانگ کر لیتا، شب و روز محنت و مشقت سے مل چلاتا، کاشت کرتا، لیکن زمین کی ساری کی ساری پیداوار ہندو کے قبضہ قدرت میں دیکر بھی بوقت حساب و کتاب خود ہندو کا قرضدار دکھائی دیتا رہا۔ اس طرح ایک طرف انگریز نے انھیں سیاسی حیثیت سے لوٹ لینا چاہا تو دوسری طرف مالی حیثیت سے ہندو اس کی جیب خالی کر رہا تھا۔ اسکی تمام خوبیوں کو برائیوں سے بدل کر دنیا میں اسے بدنام کیا جاتا رہا، منظم طریقہ پر اسکی غلات پر وچکن ڈالو اسے دنیا میں وحشی جنگ اور خدا جانے کن کن ناموں سے یاد کیا جانے لگا اور اسے وحشی اور درندہ ثابت کرنے کو کوئی کمر

باقی نہ رہنے دی گئی تا آنکہ خود ایک نگریز کو تسلیم کرنا پڑا تھا کہ :-

”بد قسمت پٹھان کی میرۂ نصف صدی سے مصنفین کے ہاتھوں پارہ پارہ ہوتی
رہی اور وہ دل کھول کر غدار، خونخوار اور ظالم کی اضافیتیں لگاتے رہے تا آنکہ
پٹھان کو بدترین قسم کا وحشی پکارا جانا فیشن بن گیا۔“

ان تمام مذکورہ مصائب و آلام، ان تمام مشکلات اور ان تمام رکاوٹوں کے باوجود
پٹھان قوم نے کبھی ہمت نہ ہاری، بلاشبہ وہ اپنے وطن عزیز میں سوائے کھیتی باڑی
اور تحفظ آزادی کے اور کوئی کام نہ کر سکی، لیکن اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ میر فی اللہ
پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اس نے مختلف علاقوں میں ایسے کارہائے نمایاں کئے کہ جن پر
جتنا بھی فخر کیا جائے کم ہے بشرطہ کہ ہند میں روحانیت پھیلانے کا اہم ترین کام اسی
قوم کے کندھوں پر رہا اور ہندوستان میں روحانی روشنی پھیلانے کے اکثر و بیشتر
ذمہ دار بزرگ اسی قوم پٹھان سے تعلق رکھتے تھے، علم و عرفان کی بارش
اسی قوم کے افراد نے کی اشاعت اسلام کے فریضہ کی ادائیگی کو بھی یہی پٹھان سرانجام
دیتے رہے، یہی نہیں بلکہ وہ بہترین حاکم، منتظم اور حکمران بھی ثابت ہوئے انھوں
نے سالاہ سال تک ہندوستان پر کامیاب ترین حکومت کی اور مرتے مرتے بھی
اس سرزمین پر مختلف ناموں سے اپنی چھوٹی چھوٹی حکومتیں ”ریاستوں“ کی
شکل میں باقی رکھ لینے میں کامیاب رہے۔ اور اس وقت حکومت پاکستان
کے اعلیٰ عہدوں پر بھی سرفراز دکھائی دے رہے ہیں۔



درہ کوہاٹ میں داخلہ پر احتیاط کیوجہ سے



درہ کوہاٹ



درہ کوہاٹ

محل وقوع | درہ کوہاٹ پشاور کے جنوب مغرب میں پشاور اور کوہاٹ کے درمیان ایک خشک ندی کی شکل میں واقع ہے۔ گو عام طور پر یہ ندی خشک رہتی ہے اور اس میں نام کو بھی پانی دکھائی نہیں دیتا تاہم موسم برسات میں ارد گرد کی پہاڑیوں کے پانی سے بھر پور ہو کر ایک قابل ذکر ندی کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور سڑک چونکہ ندی کی سطح سے کافی بلندی پر پہاڑیوں کو کاٹ کر بنائی گئی ہے اس وجہ سے آمد رفت میں کسی قسم دقت محسوس نہیں ہوتی۔

یہ درہ پشاور سے کوئی بیس میل کے فاصلہ پر سفید تھانہ کے قریب سے شروع ہو کر کوہاٹ سے کوئی پانچ میل دور کوئل کے مقام پر ختم ہو جاتا ہے۔ درہ میں داخل ہونے پر انفریدیوں کی پہلی آبادی عامل چو تروہ کے نام سے دکھائی دیتی ہے اور اس کے بعد چھ سات میل تک کا راستہ یا سڑک میدانی علاقہ کی

شکل میں جہاں درہ کی چوڑائی چار سو گز سے آٹھ سو گز ہے۔ اس کے بعد تیزی سے بلندی پر جانا پڑتا ہے۔ سڑک موڑ در موڑ بنکر خطرناک راستہ کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ اور بعض مقامات پر یہ موڑ ایسے خطرناک اور سڑک اتنی تنگ ہو جاتی ہے کہ اگر طرفین سے آنے والی تیز رفتار گاڑیاں بلا مارن بجائے رفتار سے نکل جانا چاہیں تو حادثات کا احتمال ہی نہیں بلکہ یقین ہونے لگتا ہے۔

درہ میں ایک سرے سے دوسرے سڑک جگہ جگہ قبائلیوں کے قلعہ نما مقامات دکھائی دیتے ہیں۔ ہر خاندان نے اپنے لئے مکمل تحفظات کا انتظام کر رکھا ہے اور چونکہ قبائلی علاقہ میں اجتماعی آبادیوں کا رواج نہیں اس وجہ سے ہر خاندان ہی نہیں بلکہ بعض اوقات ایک خاندان کے سر پر آورہ اشخاص بھی اپنے لئے جدا جدا قلعے تعمیر کر یا ضروری خیال کرتے ہیں۔ کیونکہ قبائلی علاقہ میں کوئی بھی ایک دوسرے کے معاملات میں مداخلت نہیں کرتا نہ اسے وہ برداشت کر سکتا ہے۔

درہ میں کی سڑک کا انتظام اور اس سڑک کی نگرانی فرانسر کنسٹیبلری کے سپرد ہے جس کی دو مضبوط چوکیاں درہ کے دونوں سروں پر قائم ہیں اور چند چوکیاں اندرونی علاقہ میں بھی تعمیر کی جا چکی ہیں آمد رفت عام طور دن کے وقت ہی ہوتی ہے اور رات کو یہ راستہ بند رہتا ہے سوائے مخصوص حالات کے جبکہ متعلقہ حکام کسی شخص کو رات کے دوران میں درہ سے گزرنے کی اجازت دے دیں۔

آبادی | درہ کی قریب قریب تمام تر آبادی آفریدیوں کے قبیلہ آدم خیل پر مشتمل ہے۔ اور رسم ملک کے مطابق ذیلی قبائل میں منقسم ہے جن میں حسن خیل، آشوخیل، گلانے اور جو اکی خاص طور قابل ذکر ہیں پھر ان ذیلی قبائل کی بھی کئی کئی شاخیں ہیں۔ چنانچہ قبیلہ حسن خیل، تاترخیل یا اخوڑ وال اور جانا خواڑ نامی دو مشہور قبیلوں میں تقسیم ہے۔ ان میں مؤخر الذکر جانا خواڑ درہ کے جنوبی علاقہ میں مقیم ہے اور اس کی مشہور آبادیاں اخوڑ اور زرغن پکاری جاتی ہیں۔ جب کہ اخوڑ وال درہ کے مغربی علاقہ میں آباد ہے جو وادئی جانا خواڑ اور وادئی کوہی کے نام سے مشہور ہے۔ مغربی علاقہ کے آخری حصہ میں قبیلہ گلانے کی شاخ پوستی خیل کی بستیاں ہیں جو مسلسل سندھ بستان نامی مقام تک کئی میل رقبہ گھیرے ہوئی ہیں اس کے آگے کچھ علاقہ شرکی اور کچھ تعظیم خیل کے قبضہ میں ہے۔ ان کے ساتھ شمال کی طرف قبیلہ زرغن خیل کے ذیلی قبائل محمد خیل، ملاخیل، اور قاسم خیل آباد ہیں اور یہ سلسلہ آبادی پلو سین تک پھیلا ہوا ہے۔ درہ کوہاٹ کی کلینہ آبادی حقیقت آفریدیوں کے قبیلہ آدم خیل پر مشتمل ہے۔ لیکن انگریز نے اپنے سیاسی اغراض کے پیش نظر قبیلہ ادرک زئی اور قبیلہ نگلش کو بھی درہ کوہاٹ یا واضح الفاظ میں سیار درہ کوہاٹ میں شامل کر دیا تھا۔

راستے | درہ کوہاٹ اور اس کے ارد گرد کے علاقہ میں چھوٹے چھوٹے پہاڑی راستے

پٹھانوں کے سلسلہ نسب کے متعلق جلد اول میں تفصیل سے بحث کی جا چکی ہے۔

اس کتاب کے آخر میں دیکھو البواب "ادرک زئی"۔ "نگلش"۔

کچھ ٹنڈیاں اور قدیم طرز کی سڑکیں ہیں۔ البتہ پشاور سے کوہاٹ تک درہ سے گزرنے والی سڑک نچتہ ہے۔ جسے انگریزوں نے اپنے سیاسی اغراض کے پیش نظر تعمیر کرایا تھا۔ اور جس کی تعمیر کے سلسلہ کی ہنگامہ آرائیوں کا تذکرہ اس کتاب کے متن میں ملے گا۔ اس سڑک کی تعمیر سے قبل کچی پہاڑی سڑک کو ہی شاہراہ کے طور استعمال کیا جاتا تھا۔ قدیم کھنڈرات پر نظر ڈالی جائے تو اس جدید سڑک سے کچھ ہٹ کر ایک دوسری سڑک کے نشانات ملتے ہیں جو مقامی باشندوں کی زبان میں "راجواڑہ لار" کے نام سے موسوم ہے اور جس سے مقامی باشندوں نے یہ روایت والبتہ کر رکھی ہے کہ اسے مرزا نے تعمیر کرایا تھا اور اسی سڑک کے ذریعے وہ صاحبان کو ملنے جایا کرتا تھا۔ حقیقت یہ راستہ اس سڑک کے بچے بچائے نشانات ہیں جو زمانہ بدھ مت کے عروج میں تعمیر کرائی گئی تھی۔

صنعت و حرفت پیداوار | درہ کوہاٹ کی اہم ترین صنعت اسلحہ سازی ہے۔ پشاور کی طرف سے درہ کوہاٹ میں

داخل ہونے کے کوئی چھ سات میل و درلب سڑک اسلحہ سازی کے کارخانے دکھائی دیتے ہیں۔ جہاں بہترین قسم بند دقین ریلو الورا در دوسرے اقسام کا اسلحہ تیار کیا جاتا ہے۔ یہاں کسی تعزیرات پاکستان کا نفاذ نہیں۔ کسی ایکٹ اسلحہ کی حکومت نہیں۔ اس وجہ سے تمام کاروبار افریدیوں کے اپنے غیر تحریر شدہ قانون یا روایت کے تحت سرانجام پاتے ہیں۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اسلحہ سازی

کا آغاز اس علاقہ میں کب سے ہوا اور کس نے شروع کیا۔ البتہ مقامی حالات و روایات کے پیش نظر کہا جاتا ہے کہ اس کا وجود بہت قدیم سے ہے اور خیبر ایجنسی کے علاقہ راجگل علم گدرا اور درہ کوہاٹ کو قدیم سے اسلحہ سازی کے لئے شہرت حاصل رہی ہے۔ اس صنعت نے بیسویں صدی کے شروع سے خاص شہرت حاصل کی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس دور میں پنجاب کے بہت سے کاریگر حالات زمانہ سے مجبور ہو کر اپنے وطن کو خیر باد کہتے ہوئے اس علاقہ میں جا مقیم ہوئے تھے۔

یہاں اسلحہ عام طور پر تھوڑے سے تیار کیا جاتا ہے کیونکہ مشینوں کا نصب کرنا ان لوگوں کے بس کی بات نہ تھی۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے اس صفائی، نفاست اور خوبی سے اسلحہ تیار کیا کہ بڑے بڑے ماہرین بعض اوقات یورپی اور درہ کی ساخت میں تمیز نہ کر سکے۔ اسلحہ کی تجارت بڑے وسیع پیمانہ پر کی جاتی ہے۔ خرید و فروخت پر کسی قسم قانونی پابندی نہیں۔ لب سٹرک یہ اسلحہ فروخت کیا جاتا ہے۔ البتہ اس اسلحہ کو مقبوضہ علاقے میں بلا لائسنس لے جانے کی اجازت نہیں ہے۔

آدم خیل عام طور تجارت پیشہ ہیں اور زیادہ تر بار برداری کا کام کرتے ہیں۔ ابتدائی میں ان کے پاس گدھے، بیل اور اونٹ تھے رفتہ رفتہ حالات تبدیل ہوئے تو ذرائع بار برداری میں بھی تغیر نظر آنے لگا اور درہ کی نچتہ سٹرک پر ان قبائلیوں کے پاس موٹر، ٹرک اور لاریاں دکھائی دیں لگیں۔ آدم خیل فوج، پولیس اور دوسری ملازمتوں میں بھی دکھائی دیتے

ہیں۔ وہ پاکستان کے قریب قریب ہر علاقہ میں پھیلے ہوئے عام طور موٹر ڈرائیوری یا چوکیاری کا پیشہ اختیار کئے ہوئے ہیں ایک خاصی تعداد تجارت پیشہ بھی ہے۔ ان کی بڑی تعداد تلاش معاش میں وطن سے نکل کر دور دراز ممالک تک کا سفر کرتی ہے اور بیرون پاکستان نظر دوڑائی جائے تو وہ بھارت، آسام، سیلون، آسٹریلیا، یورپ اور امریکہ تک میں مصروف عمل دکھائی دیتی ہے۔

درہ کوہاٹ کلیتہً پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے وسیع پیمانے پر قابل کاشت نہیں۔ چھوٹے چھوٹے کھیتوں کی شکل میں کاشت کی جاتی ہے اور اس سے کوئی ایسی قابل ذکر برآمد نہیں ہوتی جو خود ان کی اپنی ضروریات کے بھی کفیل ہو سکے۔ سوائے پچھلے کے جو خود رو بکثرت پیدا ہوتا ہے اور ایک اہم لفع بخش تجارت کی شکل حاصل کئے ہوئے ہے اس سے اعلیٰ قسم چائیاں، رسیاں، ٹوپیاں، پنکھے، جھاڑو اور دوسری قسم اشیاء تیار ہو کر پاکستان اور بھارت کے دور دراز علاقوں تک پہنچائی جاتی ہیں۔ معدنیات میں ان کی سب سے بڑی دولت نمک ہے جس کی تفصیل آئندہ اوراق میں ملے گی۔

درہ کوہاٹ کے باشندے کلیتہً مسلمان اور

مذہب و تعلیم | خفیہ المذہب ہیں۔ انہیں باہمی جنگ و جدل اور

ملک میں کسی باقاعدہ حکومت کی عدم موجودگی کی وجہ سے بھلا اتنی فرصت کہاں مل سکتی تھی کہ وہ اپنی اندرونی اصلاح کی طرف متوجہ ہوتے۔ تعلیم کی فکر کرتے یا دوسرے اصلاحی معاملات پر سوچ بچار کر سکتے۔ نتیجہ یہ ہے کہ اس

علاقہ میں نہ تو تعلیم کا کوئی اعلیٰ بندہ سبست ہو سکا نہ سماجی و معاشرتی اصلاحات کی طرف کوئی توجہ دی جاسکی۔ مذہب سے لگاؤ کی وجہ سے صرف مذہبی تعلیم کو ضروری خیال کیا گیا۔ لیکن یہ اقدام بھی اس سے آگے نہ بڑھ سکا کہ بچوں کو مساجد میں بھیج کر صرف قرآن شریف کا پڑھنا سکھایا گیا۔ وہ اس کے معنے اور مطالب سے نا آشنا رہے۔ باقی تمام مذہبی مسائل ملاؤں کے قبضہ قدرت میں دے دیئے گئے شریعت استلا کا نفاذ یا قرآن و حدیث کی تعلیم اور اس کی غرض و غایت ان ملاؤں کی تشریحات کی طابع ہو کر رہ گئیں۔ حکم خدا اور رسول کو انہی معنوں میں صحیح تسلیم کیا گیا کہ جو معنے ان ملاؤں نے بتائے۔ یہی وجہ ہے کہ قبائلی علاقہ میں ان لوگوں کو کافی اثر و رسوخ حاصل رہا۔ عام باشندے اسلام کے نام پر مرٹھنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں جذبہ جہاد سے ہر مرد و زن سرشار نظر آتا ہے۔

انگریز نے ۱۸۵۷ء میں صوبہ سرحد کی سرزمین پر قدم رکھا ملک مقبوضہ اور قبائلی دو حصوں میں تقسیم ہوا اول الذکر پر اس کی برائے راست حکومت تھی تو موخر الذکر علاقہ پر وہ اپنا سیاسی اقتدار قائم کرنے کی فکر میں رہا۔ اس دوران میں اور اس کے بعد بھی انگریز نے طول و عرض ہند میں مکتبوں، مدرسوں، سکولوں اور کالجوں کے جال بچھا دیئے

باشندگان وطن کو زیر تعلیم سے آراستہ کیا جانے لگا۔ لیکن وہی انگریز جو مقبوضہ علاقہ یا ہندوستان کی سرزمین پر یہ سب کچھ کر رہا تھا ان قبائلیوں کی تعلیم کے سلسلہ میں کوئی اقدام نہ کر سکا۔ قبائلیوں کے تعلیم یافتہ ہو جانے کے خوف سے وہ تھر تھراتا رہا۔ اسے فکر دامنیگر رہی کہ اگر یہ لوگ جو پیدائشی سیاست داں ہیں زیر علم سے آراستہ و پیراستہ ہو گئے تو اسے قیام دوام حکومت برطانیہ کے لئے کسی دوسرے میدان کی تلاش جاری رکھنا پڑے گی۔ نتیجہ یہ کہ ۱۹۲۸ء تک وہ چپ سادھے اپنے اغراض کا شکار رہا اس وقت شاید داغ بدنامی یا لاپرواہی و تغافل کو مٹانے کے لئے اس نے درہ کوہاٹ میں ایک پرائمری مدرسہ کا افتتاح کیا۔ انہی سال کے بعد اسے ہوش آیا بھی تو دماغی پرواز ایک پرائمری مدرسہ کے اجراء تک جا کر رک گئی۔ اس کے دو سال بعد ۱۹۳۰ء میں جبکہ ہندوستان اور صوبہ سرحد میں قومی تحریک اپنے شباب پر تھیں اس نے حاتم کی قبر پر لات مارتے ہوئے بلند خیل کے مقام پر ایک اور پرائمری مدرسہ کا اجرا کیا اور پھر اس کے دو سال بعد ۱۹۳۲ء میں اول الذکر مدرسہ کو مڈل اسکول کا درجہ عطا کرتے ہوئے حسب سابق چپ سادھلی اور قیام پاکستان تک اس تعداد میں کسی اضافہ کی ضرورت کا خیال نہ کیا۔ یہ اس مہذب انگریز قوم کا کارنامہ ہے جس کی تعلیمی دلچسپیوں اور تعلیمی کارناموں کے چرچے ہر روز سنے جاتے ہیں۔ اس کی مذکورہ ایک

صدی کی تعلیمی سرگرمیوں کے مقابل حکومت پاکستان نے صرف گزشتہ دس سال میں (۱۹۵۸ء تک) پچیس مدرسوں کا اجرا کیا جن میں ایک ہائی سکول ایک مڈل سکول اور تیس پرائمری مدرسے ہیں اور ان میں ڈھائی ہزار کے قریب بچے اور بچیاں تعلیم حاصل کر رہی ہیں۔

نظم و نسق | رسم ملک کے مطابق زمانہ قدیم سے آفریدی بھی دوسری سرحدی قبائل کی طرح قبیلوں میں منقسم اور جرگہ کے ذریعہ اپنے معاملات طے کرتے رہے۔ انگریزوں نے صوبہ سرحد پر قدم رکھنے کے بعد ان قبائل سے راہ ورسم پیدا کی۔ اور سلسلہ نامہ و پیام کے لئے وقتاً فوقتاً افراد منتخب کئے جاتے تھے جو انگریز اور قبائلیوں کے درمیان رابطہ قائم رکھنے کے لئے استعمال ہوئے (تفصیل کتاب کے متن میں ملے گی) جون ۱۸۸۲ء میں اس طریقہ کار کو ختم کرتے ہوئے برائے راست قبائل سے تعلقات قائم رکھنے کا فیصلہ ہوا۔ تو ڈپٹی کمشنر کوہاٹ نے افسر اعلیٰ کی حیثیت سے یہ ذمہ داری سنبھال لی۔ انتظامی امور کے پیش نظر پھر اس طریقہ کار میں رد و بدل ہوا تو ۱۸۹۶ء میں قبیلہ حسن خیل (سوائے اخوڑ وال) کے اور ۱۸۹۷ء میں کنڈاؤ کے آشو خیل کو ڈپٹی کمشنر کوہاٹ کی نگرانی سے نکال کر ڈپٹی کمشنر پشاور کے زیر اثر ڈال دیا گیا۔ اور پھر ۱۹۲۳ء میں قبیلہ کالاخیل اور جوا کی مقیم تیراہ کو پولیسکل ایجنٹ خیبر پختونخوا کی نگرانی نصیب ہوئی۔

اپنے اندرونی معاملات میں یہ قبائل اپنے جرگوں کے فیصلوں کے

پابند رہتے ہیں جس کا مفصل بیان جلد اول میں گزر چکا ہے۔

علاج معالجہ کے سلسلہ میں بھی یہ قبائل اپنے قدیم طریقہ
طبی امداد | علاج پر قائم چلے آتے ہیں۔ علاقہ کے بڑے بوٹھے۔ کوئی

نیم حکیم۔ کوئی مولوی یا ضعیف العمر مستورات اپنے اپنے ذاتی تجربات یا دیگر
 روایات کے تحت علاج معالجہ کرتے ہیں۔ دم درود جھاڑ بھونک اور تعویذوں
 سے بھی علاج کیا جاتا ہے اور بڑی تعداد میں مقبروں پر حاضر ہو کر بھی شفا
 طلب کی جاتی ہے۔ انگریزوں نے اپنے دور حکومت میں ان باشندگان کو جس
 طرح تعلیم سے محروم رکھا اسی طرح طبی امداد بھی نہ پہنچائی۔ نہ کسی ہسپتال
 کا اجراء ہوا نہ کوئی اور طبی سہولت انہیں میسر آئی۔ انگریزوں کے ایک سو سالہ
 دور حکومت کے خاتمہ پر جب ملک کا نظم و نسق خود قومی زعماء کے ماتھے لگا
 تو انہوں نے اس طرف توجہ دی۔ چنانچہ اس وقت (۱۹۵۸ء) تک درہ
 میں چند مقامی اطباء کے علاوہ حکومت پاکستان کی طرف سے چھ ڈسپنسریاں
 (ہسپتال) قائم ہو چکی ہیں اور سفری شفا خانہ کی ایک لاری بھی علاقہ کا
 گشت کرتی رہتی ہے۔

ابتدائی دور

1211

ابتدائی دور

ابتدائی تاریخ پر غور کی جائے تو باشندگان درہ خیبر اور مقیمین درہ کوہاٹ ایک ہی کشتی میں سوار دکھائی دیتے ہیں۔ دونوں ایک ہی قوم افریدی سے تعلق رکھتے ہیں اور تاریخ کے ہر دور میں برابر کے شریک کار رہے فرق صرف اتنا ہے کہ درہ خیبر کو اس کے اپنے محل وقوع کی وجہ سے جو وقعت یا شہرت حاصل ہوئی وہ درہ کوہاٹ کے حصہ میں نہ تھی درہ خیبر کا راستہ زمانہ قایم سے ہی ایک بین الاقوامی راستہ کی حیثیت رکھتا تھا جبکہ درہ کوہاٹ کو ایک مقامی راستہ کی حیثیت حاصل تھی اس وجہ سے دونوں راستوں کی شہرت اور افکار میں نمایاں فرق ناگزیر رہا یہاں ہمہ پشاور سے جنوبی اضلاع کی طرف نقل و حرکت کے سلسلہ میں اسے نمایاں حیثیت حاصل رہی اور اگر اسے بین الاقوامی شہرت نہ ملی تو

مقامی اہمیت سے بھی کوئی انکار نہ کر سکا۔ پھر جس طرح درہ خیبر کے راستہ کو آمدرفت کے لئے کھلا اور محفوظ رکھنے کی غرض سے وقت کا ہر حکمران موجب ادا کرتا رہا۔ اسی طرح درہ کوہاٹ کے راستہ کو کھلا رکھنے کے لئے بھی ہر حکمران رقومات موجب ادا کرنے پر مجبور تھا۔ کیونکہ اس راستہ کے بند ہو جانے کی صورت میں پشاور سے دوسرے جنوبی اضلاع تک پہنچنے کے لئے سلسلہ آمدرفت اور رسل و رسائل کے لئے شدید ترین مشکلات کا سامنا ناگزیر تھا۔

افریدیوں نے درہ کوہاٹ کی آزادی اور اپنے اقتدار کو بچانے کے لئے بیش بہا قربانیاں دیں تاریخ کے ہر دور میں ان کو کچل دینے کی کوشش ہوتی رہی۔ اور وقت کے ہر حکمران نے اپنی طاقت اور قوت سے اس مختصر سی قوم کو طوق غلامی زیب گلو کر لینے پر مجبور کر دیا چاہا۔ لیکن افریدی ہر اقام کا مردانہ دارمقابلہ کرتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی آزادی کو بار بار دبایا جاتا رہا۔ ان کے گھرانے کے املاک اور ان کے فصل برباد ہوئے۔ لیکن آگ کی خپکاری بھی آگ ہوتی ہے کہ مصداق جس وقت اس خپکاری کو موقع ملا اس نے اپنے مخالفین کے کیمپ جلا ڈالے اور انگریز جیسی استبداد پسند طاقت بھی جب جو و ظلم سے ان کو رام نہ کر سکی تو بالآخر موجب ادا کرنے پر رضامند ہو گئی۔

تاریخ کے سرسری مطالعہ سے اس امر کا پتہ نہیں چلتا کہ عہد مغلیہ سے قبل اس علاقہ پر بیرونی حملہ آوروں نے کس کس طرح ظلم ڈھائے



درہ کوہاٹ میں اسلحہ کی تجارت



البتہ مغلیہ دور میں جنگ و جدل کی تفصیلات سے پتہ چلتا ہے کہ تاریخ کے کسی دور میں بھی اس علاقہ کے باشندوں نے نہ تو کسی کا طوق غلامی زیر گلو کیا نہ ہی اپنے حق اقتدار سے وہ غافل رہے۔ حتیٰ کہ مغل حکومت نے اپنی طاقت اور قوت کے باوجود بالآخر ان قبائل کو مواجب دینے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ دیکھا۔ دربار مغلیہ کے کمزور ہو جانے پر جب صوبہ سرحد کی سرزمین پر پھر کابل سے حکومت کی جانے لگی تو درانی سرداروں نے اپنی فتمندی کے شادیانے بجائے۔ طاقت و قوت کے مظاہرے کئے۔ ان حالات میں بھی اذیتوں نے اطاعت قبول نہ کی تو بالآخر درانیوں کو بھی ان قبائل کی آزادی تسلیم کر تے ہوئے رقومات مواجب ادا کرنی ناگزیر ہو گئیں۔

سکھ اور درہ کوہاٹ

جب خانہ جنگی اور باہمی نفاق کی وجہ سے درانیوں کی حکومت کمزور ہونا شروع ہوئی تو پنجاب کی ایک مٹھی بھر قوم سکھ نے اقدام کرتے ہوئے صوبہ سرحد کی سرزمین کو روند ڈالا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے پشاور کوہاٹ اور سرحد کے بعض دوسرے علاقوں پر خالصہ دربار "اپنی فوجی طاقت اور جبر و تشدد سے برسر اقتدار نظر آنے لگا۔ ان کے نظام حکومت میں کوہاٹ کو پشاور کا ایک جزو سمجھا جاتا تھا اور کوہاٹ پنپنے کے لئے دو ہی راستے تھے۔ ایک کالا باغ کا طویل راستہ جو سرزمین پنجاب سے ہو کر گذرتا ہے اور دوسرا درہ کوہاٹ کا مختصر راستہ جو پشاور سے سیدھا کوہاٹ پہنچ جاتا ہے۔ اول الذکر راستہ کی طوالت اور اس زمانے کے ذرائع رسل و رسائل کے پیش نظر سفر میں بہت سی مشکلات دکھائی دیتی ہیں۔ فوری ضرورت کی صورت میں نظام حکومت کو چلانے کے

لئے اس راستہ سے امداد بھیجنے میں اخراجات کے علاوہ کافی وقت ضائع کرنا ناگزیر تھا اس کے مقابل پشاور سے براستہ درہ کوہاٹ صرف چالیس میل کی مسافت تھی۔ البتہ مشکل یا رکاوٹ تھی تو صرف یہ کہ آفریدی بلا معاوضہ آمد و رفت کی اجازت دیتے پر رضامند نہ ہو سکتے تھے۔ سکھوں نے اس مختصر راستہ پر اپنا اقتدار قائم کر لیا چاہا اور اپنے پیش رو حکمرانوں کی طرح قوت و طاقت سے آفریدیوں کو زیر نگین کرنے کی کوشش کی۔

سکھوں نے جنگ کا بگل بجایا۔ لشکر کو تیاری کا حکم ملا۔ اور خیال کیا جانے لگا کہ ”خالصہ دربار“ کے سامنے مختصر سا ایک آفریدی قبیلہ کیونکر ٹھہرے گا لیکن مجاہدین کی طاقت اور جذبہ قربانی کے اندازہ لگانے میں سکھوں کو غلطی لگی۔ آفریدی مردانہ وار مقابلہ کے لئے ہمہ تن تیار نظر آئے۔ خالصہ شکر کے پہنچنے کی دیر تھی کہ آفریدیوں نے انہیں لوہے کے چنے چبانے پر مجبور کر دیا مہاروں سکھ لقمہ اجل بنے۔ سکھ شکر بے ترتیبی سے بھاگ کھڑا ہوا۔ سکھ وقار کو سخت ٹھیس لگی تو جذبہ انتقام سے جل کر انہوں نے اپنے مشہور اٹالوی جنرل ادیبائل (المعروف ابو طیلہ) کی سرکردگی میں مزید لشکر بھیجا۔ چنانچہ اس لشکر کے ایک حصہ نے درہ کوہاٹ میں داخل ہو کر موضع اخوڑ کو برباد کیا تو دوسرے لشکر نے محلہ چار تولپوں کے موضع بازید خیل دپشاور سے علاقہ پوری کی راہ لی۔ لیکن آفریدیوں نے اس پامردی سے مقابلہ کیا کہ سکھوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ سکھ لشکر نے راہ فرار اختیار کی۔ بڑی تعداد میں موت کے گھاٹ اتارے گئے اور یہ ضرب ایسی کاری ثابت ہوئی کہ جس طرح بقول ابو طیلہ ”خیبر کے نام

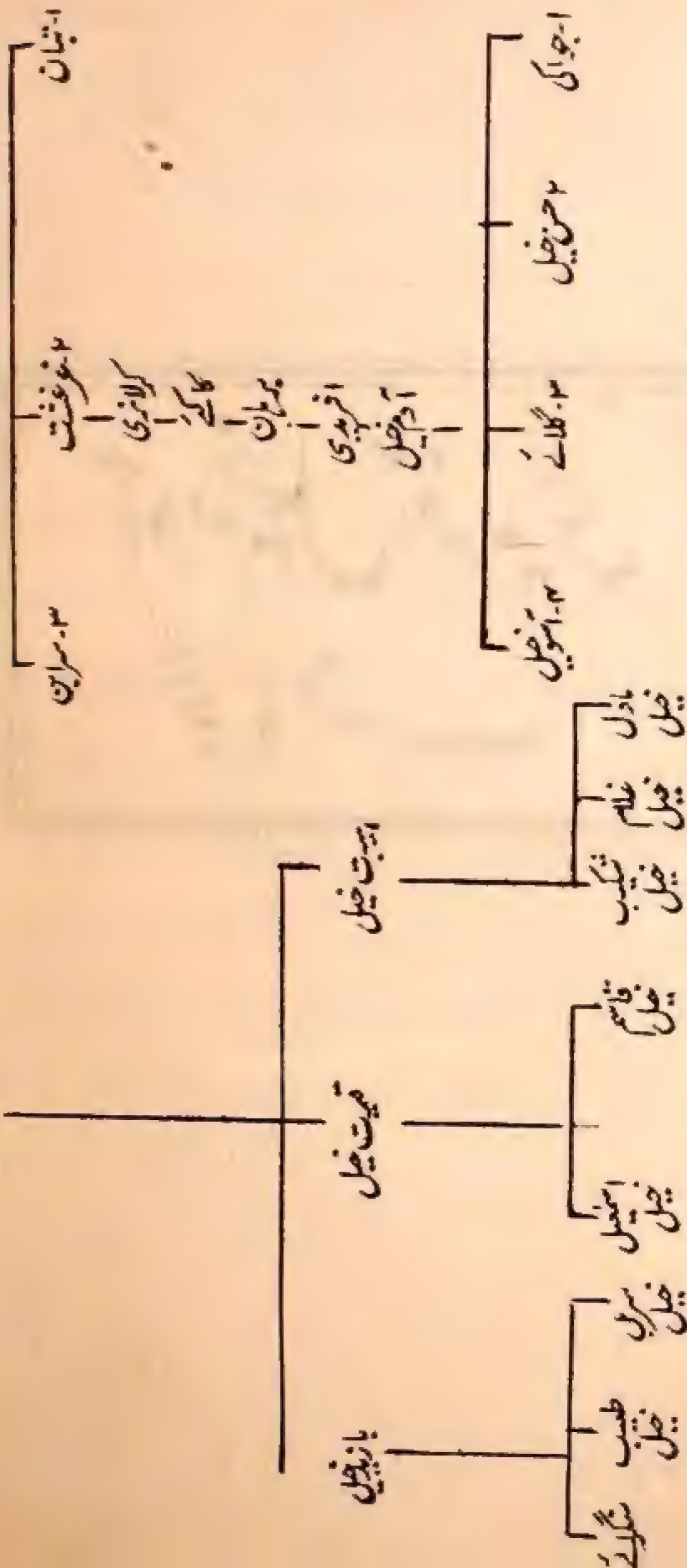
سے سکھ سپاہیوں کو درد قویٰ شروع ہو جاتا تھا۔ اسی طرح درہ کوہاٹ بھی ان کے لئے ہوا بن گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ خالصہ دربار نے اتنی خونریزی کے بعد بھی موجب ادا کرنے پر اظہار رضا مندی کر دیا۔ اور افریدی اپنی آزادی قائم رکھتے ہوئے رقومات موجب وصول کرتے رہے۔

یہ جرنیل اطالوی الاصل تھا۔ ابتداً پولین اعظم کے لشکر میں شامل رہا۔ وہاں سے چل کر اس نے ایران میں ملازمت اختیار کی۔ وہاں بھی ملک نہ سکا تو ۱۸۲۷ء میں لاہور پہنچا۔ جہاں اس نے رنجیت سنگھ کے دربار تک رسائی حاصل کرتے ہوئے وزیر آباد کی گورنری حاصل کر لی۔ ۱۸۳۷ء میں اسے پشاور بھیجا گیا اور ۱۸۳۷ء میں جب سکھوں کا مشہور جرنیل ہری سنگھ نلوہ پھانوں کے ہاتھوں مارا گیا تو اسے پشاور کی گورنری ملی۔ ۱۸۴۲ء میں اس نے ملازمت ترک کرتے ہوئے اپنے وطن کی راہ لی۔ کہا جاتا ہے کہ اس وقت اس کے پاس پچاس ہزار پونڈ موجود تھے وہ اطالوی فرانسیسی فاسی اور ہندوستانی بلا لکف بول لیتا اور راگ رنگ کا بہت شوقین تھا۔ پشاور میں اس کے ظلم کے افسانے آج بھی سنے جاسکتے ہیں۔ اس کا پورا نام تھا پاؤلوڈی بارٹولومیو آدوئیابل۔

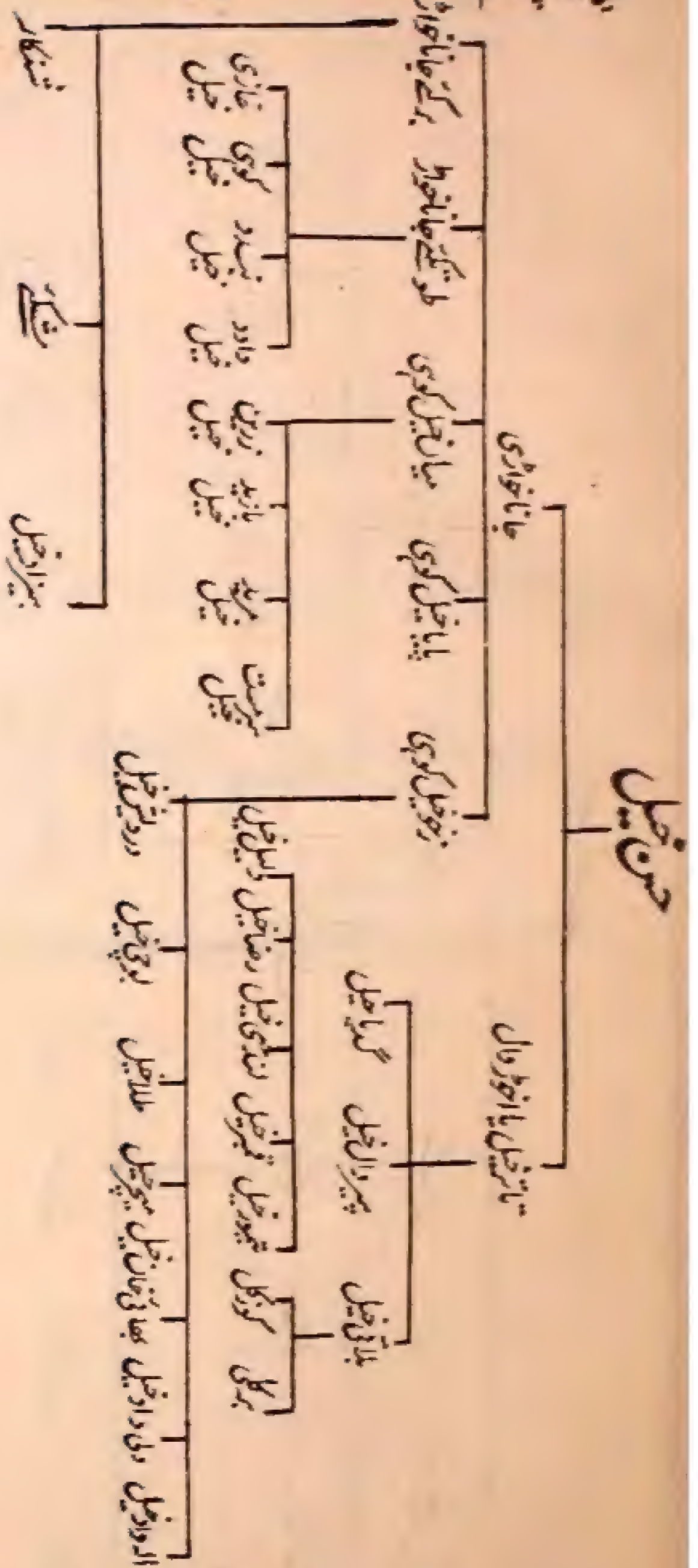
Paolo di Bartolomeo Avitabile

آدم خیل آفریدی
شجرۂ نسب

فیس محمد الرشید



پچھانوں کے مفصل تجزیہ نسب کیلئے دیکھو تاریخ آزا د پچھان جلد اول



درہ کوہاٹ اور حکومت برطانیہ

۱۸۴۹ء سے ۱۹۴۷ء تک

Handwritten text, possibly a signature or title, enclosed in a rectangular border.

انگریز سے پہلا معاہدہ

جب خالصہ دربار کا چرلے نکل ہوا اور انگریز نے ۱۸۴۵ء میں سرزمین سرحد پر قدم رکھا تو اس کے لئے بھی راستہ کی مذکورہ مشکلات موجود تھیں لیکن انگریز نے اپنے پیش رو حکمرانوں کے طریقہ کار اور اس کے نتائج کے پیش نظر عقل و سمجھ سے کام لیا اور جنگ و جدل کی بجائے موقع و محل کی مناسبت سے مواجب کی انہی رقومات کی ادائیگی پر اظہار رضا مندی کر دیا کہ جو خالصہ دربار سے افریدیوں کو مل رہی تھی۔ بلاشبہ طرفین ایک دوسرے کو شک و شبہ کی لگام سے دیکھتے رہے لیکن کسی قسم بد مزگی پیدا نہ ہوئی۔ انگریز نے افریدیوں کے معاملات میں مداخلت نہ کی تو افریدیوں کے لئے بھی کوئی امر باعث نزاع نہ رہا اور حالات میں صرف اسی قدر تبدیلی نظر آنے لگی کہ پہلے جو رقومات ”خالصہ دربار“ سے وصول کی جا رہی تھیں اب انگریز سے ملنے لگیں۔ جھگڑے کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی تو حالات کو سازگار دیکھتے ہوئے قبیلہ آدم خیل کی شاخ گلانے نے پانچ ہزار

سات سو روپے سالانہ مواجب کے عوض درہ کو ہاٹ کو آمد و رفت کے لئے کھلا رکھنے کا اقرار کرتے ہوئے اپریل ۱۸۷۹ء میں انگریزوں سے معاہدہ کر لیا جو درہ کو ہاٹ کے افریدیوں کا انگریزوں سے پہلا معاہدہ تھا۔

انگریزوں نے جویوں خاموشی اور مخلصانہ انداز

درہ میں سٹک کی تعمیر

میں رستم مواجب ادا کرنے پر اظہارِ آمادگی کیا تو یہ اس کی کمزوری نہ تھی۔ عدم تدبیر نہ تھا۔ بلکہ اس طرح وہ قبائل پر اپنی ہمدردی اور نیک نیتی کا سکہ بٹھانا چاہتا تھا۔ وہ نہ چاہتا تھا کہ قبائلیوں کے دلوں میں کسی قسم شک و شبہ پیدا ہو۔ اور اس طرح وہ اپنے اخلاص اور خوش معاملگی کے سایہ میں اپنی گرفت مضبوط کر لینے کا متمنی تھا۔ چنانچہ ادائیگی رقومات مواجب کے تھمورے ہی دنوں بعد اس نے نہایت ہمدردانہ طریقہ پر درہ کو ہاٹ میں نچتہ سٹک تعمیر کرنے کی تجویز پیش کر دی اور نجیاں خویش یقین کر لیا کہ افریدی درہ کو ہاٹ میں سٹک کی تعمیر کو نعمت غیر متوقعہ سمجھ کر پھولے نہ سمائیں گے۔ لیکن وہ بھی کچی گولیاں کھیلے نہ تھے۔ انگریزی مقاصد کو تاڑ گئے۔ سٹک کا ہر تپھر انہیں سد سکندری کی شکل میں دکھائی دینے لگا۔ انگریزوں نے انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کی لیکن بے سود۔ افریدی سٹک کو زنجیر غلامی سمجھ کر اس کی تعمیر کی اجازت نہ دے سکے تو انگریزوں نے تیور بدلنے شروع کئے اسے اپنی طاقت پر نیاز تھا اپنی دولت کا گھنڈہ تھا۔ اور افریدی بھی اپنے جذبہ تحفظِ آزادی سے سرشار تھے۔ حالات بگڑنے لگے۔ تو افریدیوں نے اعلان کر دیا کہ وہ کسی قیمت پر درہ کو ہاٹ میں سٹک تعمیر کرنے کی اجازت نہ دیں گے۔

انگریز بھی خاموش رہنے والا نہ تھا۔ اس نے اپنا پیٹیر بدلا۔ جو مخالفت گفتگو اور بحث و مباحثہ سے ختم نہ کی جاسکتی تھی۔ اسے سونے چاندی کے ٹکڑوں کی ہینکار میں گم کر دینے کی کوشش ہوئی۔ سیم زر کی بارش برسانے کا فیصلہ ہوا اور جب اس طرح بھی حصول مقصد میں کامیابی دکھائی نہ دی۔ تو ہر جاہل علم کی طرح انگریز نے بھی اسلی و بارود کا سہارا لے کر اس قبیلہ کی آزادی کو کچل دینے کا فیصلہ کر لیا۔ اپنی دولت طاقت اور وسائل کے گھنٹہ میں مالکان ملک کی رعنا مندی حاصل کئے بغیر سڑک کی تعمیر شروع کر دی اور تجویز یہ ہوئی کہ پہلی ہی جہت میں کوہاٹ شہر سے درہ کوہاٹ کے سڑک سڑک تعمیر کر لی جائے۔

انگریز انہی دنوں خالصہ دربار کو ملیا میٹ کرنے کے بعد اپنی بہادری شجاعت اور تدبیر کا ڈھنڈورہ پیٹ چکا تھا۔ اس کی نظر میں چند ہزار باتندگان درہ کوہاٹ کیا وقعت رکھ سکتے تھے۔ وہ ان کے جذبہ قربانی سے واقف نہ تھا۔ افریدی آندھی کی طرح اپنے گھروں سے نکلے تو دیکھتے ہی دیکھتے ۲ فروری ۱۸۵۷ء کو سڑک پر فوجی کام کرنے والوں سے ۱۴ افراد قتل کر دیئے اور چھ خاک و خون میں لوٹے نظر آئے۔ اتفاق سے انہی ایام میں ہندوستان کا سپہ سالار اعظم سر چارلس نیپئر پشاور میں مقیم تھا۔ افریدیوں کی اس حرکت کو اس نے اپنی بے عزتی اور وقار کے خلاف گردانتے ہوئے بدلہ لینے کی ٹھانی اور الیٹ انڈیا کمپنی کے حکام اعلیٰ سے درہ کوہاٹ کی طرف لشکر کشی کی اجازت حاصل کر لی۔

درہ میں انگریز سے پہلی جنگ | مذکورہ اختلافات کی وجہ سے چند افراد کے لقمہ اجل ہو جانے کے بعد ضروری

نہ تھا کہ لشکر کشی کی جاتی۔ بلکہ رسم ملک کے مطابق جس رسم کو انگریز تسلیم کر چکا تھا طرفین باہمی گفتگو سے کسی نتیجہ پر پہنچ سکتے تھے۔ اور اگر اس طرح کوئی تصفیہ نہ ہوتا تو پھر جنگ لڑی جاسکتی تھی۔ لیکن انگریز نے گفتگو کی بجائے طاقت سے رعب ڈالنا چاہا۔ چنانچہ اس واقعہ کے پانچ دن بعد، فروری ۱۸۵۸ء کو انگریزی لشکر نے درہ کو ہاٹ کی طرف پیش قدمی شروع کر دی اور انگریز قوم کا سپہ سالار اعلیٰ خود اس لشکر کے ساتھ چل رہا تھا۔ البیٹ انڈیا کمپنی کے منظم اور کیل کانٹے سے تیار لشکر کے مقابل یہ آزاد قبائل اپنے کندھوں پر پرانی وضع کی بندوبست لٹکانے کیا کر سکتے تھے۔ پھر بھی حب الوطنی جذبہ جہاد اور دلولہ آزادی وطن نے انہیں دل برداشتہ ہونے نہ دیا۔

آزادی وطن کے لئے قربان ہو جانے پر انہیں وہ لطف مل رہا تھا جو ظلم و استبداد سے کمزوروں کو میطیع کرنے والے کسی جابر و مستبد حاکم کو نصیب نہیں ہو سکتا۔ انگریز لشکر کے درہ کو ہاٹ میں داخل ہونے پر جنگ کا آغاز ہوا۔ افریدی ایک ایک اپنی زمین پر لڑتے دکھائی دیے۔ اس وقت قبائلیوں میں دریا خان نامی ایک شخص کو خاص عزت و وقعت سے دیکھا جاتا تھا جبکہ انگریز اسے ”ڈاکو اور رنہن“ کے نام سے یاد کرتے تھے۔ اسی دریا خان کی قیادت میں افریدیوں نے انگریز لشکر کو دم لینے کی فرصت نہ دی۔ پھر بھی انگریز لشکر اپنے سامان کی بہتات لشکر کی کثرت اور رسل و رسائل کے

نظام کی وجہ سے موضع انوڑ کے قریب جا پہنچی

سر چارلس نیپیر اس حقیقت کو فراموش کرتے ہوئے کہ انگریز لشکر ایک معمولی سے قبیلہ کے مقابلہ صفا آرا تھا۔ اپنی بہادری اور فتحندی پر اترانے لگا۔ اور یہ دیکھتے ہوئے بھی کہ چھان اس کی طاقت۔ اس کے لشکر اور اس کی آتش باری سے مرعوب ہو کر ہتھیار پھینکنے والے نہ تھے اس نے نشہ اقتدار میں اعلان کر دیا کہ اگر افریدیوں نے ایک گھنٹہ کے اندر اطاعت قبول نہ کر لی تو ان کے پورے علاقے کو تاراج کر دیا جائے گا اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ قبائلی نمائندے اس سے مل کر شرائط اطاعت طے کر لیں۔ افریدیوں کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے کہلا بھیجا کہ جو گفتگو توپ و تفنگ سے شروع ہو چکی ہے اسے اب زبان و قلم سے بند کرنا مناسب نہیں اس جواب سے جل کر سر چارلس نیپیر نے ۱۰ فروری ۱۸۵۷ء کو موضع انوڑ پہنچ کر اسے پیوند زمین کر دیا۔

جب طاقت کا یہ مظاہرہ ہو چکا تو افریدی کو لشکر نے زرغن کی راہ لی۔ افریدی ہر ہر قدم پر مقابلہ کرتے رہے لیکن اس منظم لشکر کے سامنے ٹھہرنا یا اس لشکر کو مزید اقدام سے روکنا ان کے بس کی بات نہ تھی چنانچہ زرغن کو بھی پیوند زمین کرتے ہوئے اس انگریز نے اپنی بہادری کا ایک اور نمونہ مہذب دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔ اب شام ہو چکی تھی۔ لشکر نے آگے بڑھ سکتا تھا نہ واپس لوٹ سکتا تھا۔ رات وہیں بسر کرنے کا فیصلہ ہوا۔ قبائلی بھی موجود تھے انہوں نے انگریز لشکر کو رات بھر پریشان

کئے رکھا اور صبح تک طرفین آگ برساتے رہے۔

دن نکلا تو لشکر کے ایک حصہ کو اس جگہ مقیم رکھ کر دوسرے حصہ کو کوہی کے برباد کر دینے کا حکم ملا۔ مہذب دنیا کا یہ سربراہ اور وہ انگریز۔ سر چارلس نیپئر۔ نشہ اقتدار میں اندھا ہو کر راستہ میں مگی ہر جھونپڑی مسکن گھر اور درو دیوار کو تاخت و تاراج کرتا۔ انسانی خون سے ہولی کھیلتا ہوا کوہاٹ کی طرف چل رہا تھا۔ انگریز فسرور کی حالت یہ تھی کہ بالکل پاگل دکھائی دے رہے تھے۔ درہ کوہاٹ میں کا ہر انسان ہی نہیں ہر جاندار بلکہ ہر پتھر انہیں دشمن کی شکل میں نظر آ رہا تھا۔ ہر درو دیوار کے اوٹ سے انہیں قبائلیوں کی بندوقوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں اور ہر آفریدی صبر و حوصلہ سے تحفظ و آزادی وطن کے لئے سینہ سپر تھے وہ انگریز کی سراسیمگی کو دیکھتے ہوئے اور بھی شدت سے آگ برساتے رہے بالآخر انگریز لشکر نے انتہائی پریشانی کے عالم میں کوتل پنج کر پیش قدمی روک دی۔ لیکن افریدیوں کے حوصلے ابھی بلند تھے۔ وہ لگاتار آگ برساتے رہے انگریز کی رگ انتقام پھر پھر کی تو اس نے پھر اقدام شروع کیا اور کوہاٹ سے کوئی چار میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں کو پوند زمین کرنے کے بعد لشکر کو واپسی کا حکم ملا۔

۱۳ فروری ۱۸۵۷ء کو انگریز لشکر نے واپس لوٹنا شروع کیا تو بھی افریدی سایہ کی طرح ساتھ تھے اور جس مستعدی سے اقدام کے وقت آگ برساتے تھے اسی مستعدی سے انگریز کی واپسی پر بھی آگ برساتے رہے



درہ کوہاٹ میں ایک قبائلی مورچہ



انگریز لشکر اب نشیب و فرازِ راد سے بے نیاز ہو کر جلد از جلد درہ کو ہاٹ سے نکل جانے کی فکر میں تھا۔ چنانچہ مرتے مارتے وہ واپس پشاور پہنچ گیا۔ لاکھوں روپے کے اخراجات۔ سینکڑوں انسانوں کی اموات اور متعدد افریدی آبادیوں کو تاخت و تاراج کرنے کے بعد کوئی ایک ہفتہ کے اندر اس مہم کو ختم کر دیا گیا اور چند ہی دنوں میں انگریز کمپ ایسا معلوم ہونے لگا جیسے کوئی قابل ذکر واقعہ ہوا ہی نہ ہو۔ نتیجہ یہ کہ جس سڑک کے لئے یہ سب کچھ کیا گیا تھا وہ بن نہ سکی۔

درہ کو ہاٹ میں انگریز کے اس اولین اقدام سے پتہ چلتا ہے کہ اس نے قبائلیوں میں اتفاق بے اعتمادی اور باہمی دشمنیوں کو ہوارنے کا کام یہیں سے شروع کیا تھا۔ اس مہم کے آغاز سے قبل انگریز نے اپنی چال بازی۔ جیلہ جونی اور سیم دزر کے لالچ سے بعض افراد کو یوں رغبت دلائی کہ انگریز کا ساتھ دینے کی صورت میں وہ اپنے دشمنوں سے بہ آسانی بدلہ لے سکتے تھے اپنے ساتھ ملا لیا ایسے افراد کی شمولیت سے گو انگریز کو جسمانی حیثیت سے کوئی خاص تقویت نہ ملی تاہم اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ قبائل میں عدم اعتماد اور باہمی اتفاق پیدا ہو جانا ناگزیر تھا۔ چنانچہ ایک انگریز (کپٹن نیول) جس نے اس مہم کی مختصر سی روئیداد بھی لکھی تھی کہتا ہے کہ ان لوگوں نے نہ تو کوئی قابل ذکر امداد کی نہ ہی افسران لشکر ان سے مطمئن تھے۔ بہ این ہمہ جب یہ لشکر پشاور کی طرف واپس لوٹا تو درہ کو ہاٹ سے نکلنے کے بعد فتح محمد خان ملک دین خیل افریدی کو ہاتھی پر بٹھا کر شکر کے آگے آگے چلایا گیا جب کہ اس کے ایک دوسرے ساتھی کے ہاتھ میں شکر کا علم تھا۔ اس طرح ان کی ہمت افزائی کی گئی۔ یا بابا الفاط دیگر

انہیں منظر عام پر لا کر افریدی قبائل میں باہمی اتفاق پیدا کرنے کی کوشش ہوئی۔ انگریزوں کا خیال تھا کہ طاقت کے اس مظاہرہ سے افریدی مرعوب ہو کر شرائط تسلیم کر لیں گے۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ افریدیوں نے مخالفت جاری رکھی۔ سرک تعمیر نہ ہو سکی اور جس درہ کو ہاٹ کوکھلا رکھنے کے لئے شکریہ کشی ہوئی اور میدان کارزار گرم ہوا تھا اور جس میں جنگ سے قبل آمدورفت جاری تھی۔ وہ غیر محفوظ ہو کر آمدورفت کے لئے کلیتہً بند ہو گیا۔ سرچارلس نیپئر کو اس اقدام میں سیاسی حیثیت سے بدترین قسم کی شکست اٹھانا پڑی۔ جس پر پردہ ڈالنے کے لئے اس نے ۱۶ فروری ۱۸۵۷ء کو لشکر کے نام ذیل کا پیغام دیا:

..... کہا جاتا ہے کہ کوہاٹ کی طرف شکریہ کشی کے دوران میں رنجیت سنگھ کے ایک ہزار آدمی کام آئے تھے۔ کمانڈر انچیف نہیں کہہ سکتے کہ یہ قصہ حقیقت پر مبنی تھا یا نہ۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ بریگیڈیر سرکولن کبل کے صرف بیس افراد کام آئے اور ہمارے سامان کا ایک ٹکڑہ بھی ہم سے دشمن ہتھیانہ سکے حالانکہ وہ اپنی دلیری اور لوٹ مار کی خصوصیت کی وجہ سے دنیا بھر میں شہرت یافتہ ہیں۔

۱۔ درہ کوہاٹ کی طرف جس لشکر نے ملینار کی تھی آئینی حیثیت میں سرکولن کبل اس کی قیادت کر رہا تھا اگرچہ سرچارلس نیپئر سپہ سالار اعلیٰ بھی اس لشکر کے ہمراہ تھا۔
۲۔ علاوہ کپ برداروں اور دوسرے ملازمین کے اس ہم میں ۳۲۰۰ فسر و سپاہیوں نے حصہ لیا اور نہرست بھر دھین و مقتولین کی تعداد ۹۴ بتائی گئی ہے۔
صوبہ سرحد گزٹیر ۱۹۰۸

کوئل سے انگریز کا اخراج | درہ کوہاٹ کے مذکورہ معرکہ کے اختتام

پر انگریز نے اپنے لشکر کا ایک حصہ کوئل کے مقام پر مقیم کر دیا تھا گویا اس ساری جنگ و جدل کی کامیابی کا مظہر یہ کوئل پر انگریز سپاہیوں کا قیام تھا۔ لیکن افریدی اسے برداشت نہ کر سکتے تھے اور ابھی کہ انگریز لشکر کو واپس ہوتے سولہ سترہ ہی دن گزرے ہوں گے کہ افریدیوں نے ۲۸ فروری کو اس پر حملہ کرنے کا اعلان کر دیا۔ انگریز کو اطلاع ملی تو اس نے یکم مارچ کو کوہاٹ سے تازہ دم لشکر کو کوچ کا حکم دیدیا۔ افریدی پہلے ہی تیار کھڑے تھے۔ شدید جنگ کے بعد لشکر کا ایک حصہ چوکی کے قریب جا پہنچا۔ لیکن جب افریدیوں نے ۲ مارچ کو دوبارہ حملہ کیا۔ تو کوئل میں مقیم سپاہیوں کی حالت یہ تھی کہ نہ جلے رفتن نہ پائے ماندن۔ ایسی حالت میں موت یا صلح دو ہی راستے کھلے تھے۔ انگریز نے صلح کے لئے سلسلہ جنبانی شروع کی اسی دوران میں دریافان اپنے ساتھیوں کو لئے آئندہ ہوا تو انگریز نے اپنے تازہ دم لشکر کو اقدام کا حکم دیا۔ لیکن حالت ایسی بگڑ چکی تھی کہ انگریز کے بنانے بن نہ سکی اور اس کی کوئی چال کار گرد کھائی نہ دی۔ ان حالات میں انگریز کمانڈر نے کسال عقلمندی سے افریدیوں کو اس پر رضامند کر لیا کہ وہ چوکی میں کے مقیم سپاہیوں کو زندہ لکل جلانے کی اجازت دے دیں۔ چنانچہ ۳ مارچ کو انگریز نے یہ چوکی خالی کر دی تو افریدیوں نے اس پر قبضہ کرتے ہوئے اس کے تحفظات کو برباد کر دیا۔

افریقی تحفظ وطن سے کسی
ڈاک سے تعارض نہ کرنے کا معاہدہ | وقت بھی غافل نہ رہے انگریز
 بھی چاہیں چلتا رہا۔ اور جب اس نے دیکھا کہ جنگ و جدل سے کام نہیں نکل
 سکتا تو دوستی کی پٹریاں ڈالنا شروع کیں۔ اپریل ۱۸۵۷ء میں قبائلیوں
 سے نامہ و پیام شروع ہوا۔ تو کہیں جون میں وہ گفتگوئے مصالحت پر آمادہ
 ہو سکے۔ چنانچہ اخوڑ وال۔ زرغن خیل اور شرکی قبائل کے ملکوں (سرحدوں)
 نے ۶ جون کو شرائط صلح طے کرتے ہوئے ایک معاہدہ تحریر کیا اور رسم ملک
 کے مطابق اسے اپنے قبائل کے سامنے پیش کیا۔ قومی جرگہ نے اس معاہدہ کو
 بحث کے بعد مسترد کر دیا۔ تو انگریز کا بنا بنایا کمیل بھی بگڑ گیا۔ مخالفت نے
 اور شدت اختیار کر لی۔ انگریز نے بھی آنکھیں دکھانی شروع کیں تو ۹ جون کو
 قبائلیوں نے ایک انگریز نوچی دستہ کو جو درہ کوہاٹ میں داخل ہو چکا تھا
 لوٹ لیا۔ انگریز کے جذبہ انتقام نے ایک دفعہ پھر جوش مارا۔ ان قبائلیوں
 کی ناکہ بندی کر دی گئی۔ اور مقبوضہ علاقہ میں ان کے جس قدر افراد تھے
 انہیں زیرِ جراست لے لیا۔ حتیٰ کہ مستورات اور بچے بھی اس حکم کی زد سے
 نہ بچ سکے۔ انگریز کی اس حرکت نے جلتی آگ پر تیل کا کام کیا۔ معاہدہ ہو جانے
 کی رہی سہی امید بھی خاک میں مل گئی۔ لیکن انگریز نے حوصلہ نہ ہارا اور اندر
 ہی اندر قبائلیوں کو رضا مند کرنے کی کوشش ہوتی رہی بالآخر اواخر جون
 ۱۸۵۷ء میں قبیلہ جواکی کو اس پر رضا مند کر لیا گیا کہ وہ براستہ پوری اور جامو
 صرف ڈاک کے گز جانے کی ذمہ داری سنبھال لے اور اس سے کسی قسم کا تعارض
 نہ کرے۔

درہ کی سیاست میں | انگریز کو قدرے اطمینان ہوا ہی تھا
قبیلہ اورک زئی کی شمولیت | کہ قبیلہ زرغنی خیل۔ شرکی اور بوہتی خیل

کے افراد نے مقبوضہ علاقہ میں جانی گڈی جانی گاؤں کو لوٹ لیا۔ اس طرح
ایک دفعہ بھر جنگ کے بادل منڈلاتے نظر آئے۔ لیکن جب افریدی جرگہ کے
سامنے یہ سوال پیش ہوا تو انہوں نے اس حرکت کو چند افراد کا ذاتی فعل
قرار دیتے ہوئے ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ مگر یہ نے بھی موقع
سے فائدہ اٹھانا چاہا اور بگاڑ پیدا ہونے نہ دیا۔ وہ حالات کا جائزہ لے چکا تھا
اس نے قبائلیوں میں اتفاق پیدا کرنے کی حکمت عملی کو زیادہ موثر بنانے کی
کوششیں شروع کیں۔ اسی حکمت عملی کے تحت قبیلہ جو اکی کو پوری کے
راستہ ڈاک کی حفاظت پر رضا مند کیا جا چکا تھا اب دوسرا قدم یوں اٹھا کہ
قبائلیوں کے گناہوں کو زیر بحث نہ لاتے ہوئے انہیں ۱۸۳۹ء میں مقرر شدہ
تمام بقایا موجب ادا کرنے کا بدیں شرط اقرار کر لیا کہ وہ درہ کو ہاٹ کو آمد و رفت
کے لئے کھلا رکھیں۔ اور اس کے ساتھ ہی چال یوں چلی کہ قبیلہ اورک زئی کہ جس
کو اس تمام خہگامہ آرائی سے تعلق نہ تھا درہ کی سیاست میں داخل کر دیا۔
رحمت خاں اورک زئی کو جو اپنے قبیلہ میں اثر و رسوخ رکھتا تھا درمیان میں
لاتے ہوئے کو ہاٹ کی طرف سے درہ کو ہاٹ کے دہانے کی پہاڑی چوٹی کو تل تک
کی نگرانی سپرد کر دی۔ تاکہ وہ درہ کو ہاٹ کے اس حصہ کی حفاظت کے فرائض انجام
دے اس خدمت کے لئے اسے ذاتی حیثیت میں دو ہزار اور سترک کی حفاظت
کے لئے ایک سو ملازم رکھنے کے نام سے چھ ہزار روپے سالانہ ادا کرنے کا فیصلہ ہوا
۱۔ کتاب کے آخر میں باب اورک زئی دیکھئے۔

اس طرح نومبر ۱۸۵۱ء میں درہ کے مواجب کی رقم تیرہ ہزار سات سو روپے سالانہ دکھائی دینے لگی۔

قبیلہ جواکی سے معاہدہ ۱۸۵۱ء | دانتات یونہی چلتے رہے کشمکش جاری رہی۔ ایک طرف انگریز اپنی

طاقت۔ دولت اور چالبازیوں سے بازی لے جانا چاہتا تھا۔ تو دوسری طرف افریدیوں کو اپنی آزادی کے تحفظ کی فکر دامگیر تھی۔ طرفین کے مقاصد میں بعد میں فرق پیدا ہوا۔ ایک فرقہ چاہتا تھا کہ افریدیوں کے پورے علاقے کے پاؤں میں غلامی کی بوجھل بیڑیاں ڈال دے جب کہ دوسرا اس کے تصور کو بھی برداشت نہ کر سکتا تھا۔ معمولی اختلافات طرفین کی پریشانی کا باعث بنے اور انگریز نے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے اپنی جدید حکمت عملی میں فردا فردا ہر قبیلہ سے ٹیٹ لینے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں جب قبیلہ جواکی سے اختلاف پیدا ہوا تو انگریز نے دوسرے قبائل سے لگاڑ نہ پیدا کرتے ہوئے صرف اس قبیلہ کی طرف توجہ دی۔ مقبوضہ علاقہ میں اس کے افراد قید و بند میں ڈالے گئے۔ حالات زیادہ بگڑنے لگے تو قبیلہ جواکی کے ایک جرگہ نے گفتگو ہونی بالآخر اس قبیلہ نے اپنے علاقہ میں درہ کی سڑک کی حفاظت کا اقرار کرتے ہوئے ۲۶ دسمبر ۱۸۵۱ء کو معاہدہ پر دستخط کر دیئے۔ جس کی رو سے ان کے قیدیوں کی رہائی۔

۱۔ اس معاہدہ پر ملک محمدی۔ ملک سراج۔ ملک سرکان۔ ملک خیر اللہ خان گل۔ ملک غازہ۔ ملک ارسلان۔ ملک اختر۔ ملک نوجدار ملک امین اور ملک فقیر نے طور کی سواری جامو۔ پایا اور غریبا کے تمام جواکیوں کی طرف سے دستخط کئے تھے۔

مقبوضہ علاقہ میں انہیں کھلی آمد و رفت کی اجازت کے ساتھ یہ بھی مرقوم تھا کہ اگر ان کے قبیلہ کا کوئی فرد مقبوضہ علاقہ میں ارتکاب جرم کیے تو اس کی گرفتاری کا حکم نہ دیا جائیگا بلکہ نوعیت جرم کی اطلاع قبیلہ کو دی جائے گی اور قبیلہ خود ہی سزا تجویز کرے گا۔

معاہدہ ۱۸۵۳ء | اورک زریوں کو درہ کی سیاست میں داخل کرنے کے بعد یہ جدید نظام چلتا رہا ۱۸۵۳ء تک

درہ میں عام طور آمد و رفت کھلی رہی۔ انگریز نے قبیلہ اورک زری کو مزید ممنون کرنے کی غرض سے اس کی شاخ دولت زری کے ذیلی قبائل بیزدتی اور فرور خیل سے ۳ دسمبر ۱۸۵۳ء کو ایک معاہدہ کر لیا جس میں اس قبیلہ نے قتل پر اپنے بارہ افراد مقرر کرنے کے ساتھ اقرار کیا کہ وہ نہ تو انگریزی علاقہ میں کسی قسم نہ گامہ آرائی کریں گے۔ نہ انگریزی علاقہ میں جرائم کرنے والوں کو نپاہ دیں گے اور نہ ہی آدم خیلوں کے علاقہ میں کسی قسم مخالف حرکت کا ارتکاب کریں گے اس معاہدہ پر ملک بہادر شیر خان۔ ملک مغل خان اور صاحبزادہ خطاب شاہ نے دستخط کئے۔

مذکورہ معاہدہ کے تین دن بعد ۴ دسمبر ۱۸۵۳ء کو اس قبیلہ کی ایک دوسری شاخ سپاہ سے معاہدہ ہوا جس میں اس قبیلہ نے اپنے دو نفر قتل پر مقیم رکھنے کا اقرار کیا

۱۔ معاہدہ ہر ذیل کے افراد نے دستخط کئے تھے، سینک احمد شاہ۔ ضابطہ خان۔ مراد خان۔ صفدر علی شاہ۔ رستم علی عبدالحسین۔ حیدر علی۔ شاہ ولی۔ ضم خاں جواہر علی۔ احمد شہزادہ غلام۔

رحمت خان اورک زئی کے عملاً
کوئل سے اورک زئیوں کا اخراج | سیاسیات درہ کوہاٹ میں شامل

ہو جانے کے بعد ۸۵۳ تک یہ نظام چلتا رہا۔ وقت فوقت اختلافات پیدا ہوئے۔ لیکن ان کی نوعیت ایسی نہ تھی کہ جنگ و جدل کی صورت اختیار کر لیتی۔ البتہ اس دوران میں آدم خیل قبائل رحمت خان سے بد دل ہونا شروع ہوئے۔ اس کے سلوک کے خلاف شکایات پیدا ہونے لگیں۔ مختصر یہ کہ افریدیوں کی اکثریت رحمت خاں اورک زئی کی قیادت سے تنگ آچکی تھی وہ زیادہ دیر تک اس کی مداخلت کو برداشت نہ کر سکی۔ انگریز جو اس نظم اور درہ کی سیاست میں رحمت خاں کو ٹھونسے کا ذمہ دار تھا۔ تماشائی بن بیٹھا۔ وہ جانتا تھا کہ اختلافات کے بڑھ جانے پر فریقین آپس میں کٹ مریں گے اور یہی اس کی پالیسی تھی چنانچہ جب اسے اس طرف متوجہ کیا گیا تو اس نے صاف کہہ دیا کہ یہ افریدیوں کا نجی معاملہ ہے۔ حالانکہ چاہتا تو یہ اختلافات کسی نہ کسی طرح بطریق احسن دور کئے جاسکتے تھے۔ افریدیوں نے یہ حالت دیکھی تو حسب معمول آپس میں نیپٹ لینے کا فیصلہ کیا اور رحمت خاں کی چوکی پر حملہ آور ہو کر کوئل پر قابض نظر آنے لگے اسی کشمکش کی وجہ سے درہ کوہاٹ میں ایک دفعہ پھر آئندہ رفت بند ہوئی تو انگریزی سیاست نے حرکت شروع کی اور افریدیوں کا جرگہ طلب کیا گیا تاکہ حالات پر غور کی جاسکے۔

جرگہ کی کارروائی شروع
درہ کی سیاست میں قبیلہ ننگش کی شمولیت | ہوئی تو انگریز نے اپنے

ترکش سے ایک نبیا تیر نکالا پہلے درک زنی قبیلہ کو درہ کی سیاست میں بٹھو لیا تھا اب قبیلہ بنگش کو منظر عام پر لایا گیا۔ چنانچہ جرگہ کے سلسلے ذیل کی تجاویز پیش ہوئیں:-

(۱) کوتل سے کوہاٹ تک درہ کی نگہبانی قبیلہ بنگش کے سپرد کر دی جائے
بیزدتی۔ اتھان خیل۔ فیروز خیل اور دوسرے چھوٹے بنگش قبائل قیام امن
کی ذمہ داری سنبھال لیں تو اس خدمت کے صلہ میں انہیں ۵۰۰۰ روپے
سالانہ مواجب ادا کیا جائے گا۔

(۲) کوتل سے لطرف پشاور۔ انوڑ اور باسی خیلوں کی حد تک امن علاقہ
کے افریدی نگہبانی کریں تو انہیں ۵۴۰۰ روپے سالانہ مواجب ملے گا۔

(۳) اس بقیہ حصہ سرحد کی حفاظت باسی خیل ۶۰۰ روپے سالانہ
کے عوض اپنے ذمہ لے لیں۔

انگریز کو یقین تھا کہ افریدی ان شرائط کو تسلیم کر لیں گے۔ لیکن جب
یہ مسائل جرگہ میں پیش ہوئے تو ارکان جرگہ نے پورے درہ کوہاٹ کی ذمہ داری
اپنے سر لینے پر آمادگی ظاہر کی۔ اور بتایا کہ جو کچھ ہوا اس کی تمام تر ذمہ داری رحمت
خان کے سر تھی۔ جو ان سے خوشگوار تعلقات قائم نہ رکھ سکا تھا۔ اور قبائلی کسی طرح
اس کے ذمہ دار نہ تھے۔ لیکن انگریز کی حکمت عملی ہی بیل چلی تھی۔ وہ کسی ایک قبیلہ
کے ہاتھ نظم و نسق سونپنے پر آمادہ نہ تھا۔ اور جانتا تھا کہ مختلف قبائل کو اختیارات
مل جانے کی صورت میں وہ فرداً فرداً ایک دوسرے کے خلاف صف آرا کئے
جاسکتے تھے۔ تقسیم و حکومت کی پالیسی پر عمل شروع ہوا تو قبائل کو صاف الفاظ

میں تباہ یا گیا کہ ہر قبیلہ اپنے زیر اثر علاقہ کی نگرانی کا ذمہ دار ہو گا اور جب افریدیوں نے ان شرائط کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تو انگریز نے بھی اپنی روش بدل لی۔ آمادہ بہ جنگ نظر آنے لگا۔ اور جرگہ سے کہہ دیا کہ ارکان جرگہ باہمی مشورہ کے بعد دو تین گھنٹہ کے اندر ہی اپنی رائے سے حکومت کو مطلع کر دیتی۔ جرگہ کی کارروائی ختم ہوئی۔ ارکان جرگہ باہمی مشورہ کرنے کو وہاں سے رخصت ہوئے۔ انگریز ان کے فیصلہ کا منتظر ہو بیٹھا اور جب کافی دیر تک ارکان جرگہ واپس نہ لوٹے تو تشویش پیدا ہوئی اور حقیقت حال دریافت کرنے پر تپہ چلا کہ اس وقت تک وہ لوگ درہ کوہاٹ کی طرف گامزن ہو چکے تھے۔

اب انگریز کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اس نے دیکھا کہ بنا بنا یا کھیل کر رہا تھا۔ ارکان جرگہ کو واپس بلانے کے لئے آدھی دوڑ لگے گئے اور انہیں ہدایت کی کہ وہ قبائلیوں سے کہیں کہ جرگہ کا یوں وعدہ واپسی کے بعد بلا جواب دیئے واپس لوٹ جانا روایات ملی کے خلاف تھا۔ چنانچہ ارکان جرگہ واپس لوٹ آئے پھر سلسلہ جنبانی شروع ہوئی۔ طرفین مطلب برآری کے لئے موقع و محل سے فائدہ اٹھانے کی فکر میں تھے۔ انگریز نے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے اس پر آمادگی کا اظہار کر دیا کہ قبائلی ۵۷۰۰ روپے سالانہ مواجب کے عوض پورے درہ کے کھلار کھنے کی ذمہ داری سنبھال لیں۔ افریدیوں نے یہ حالت دیکھی تو اپنی روش بدلتے ہوئے مطالبہ کیا کہ انہیں وہ تمام رقم دی جائے جو اس وقت تک انگریز درہ کوہاٹ میں آمدورفت کے لئے ادا کر رہا تھا۔ انگریز کو اس شرط تسلیم کرنے میں اپنی شکست نظر آنے لگی کیونکہ اس سے اس کے مقاصد پر ضرب لگتی تھی۔

وہ دوسرے قبائل کو درہ کی سیاست میں کھولنس چکا تھا اور افریدیوں کی مذکورہ شرط قبول کر لینے کی صورت میں وہ ان قبائل کو آئندہ کے لئے اپنے اغراض کے لئے استعمال نہ کر سکتا تھا اور نہ ہی ایک قبیلہ کو دوسرے قبیلہ کے خلاف مزدا کرنا کیا جاسکتا تھا۔ معاملات نے پیچیدہ شکل اختیار کر لی۔ افریدی بھی اپنے فیصلہ پر ڈٹ گئے۔ انگریز بھی جھک نہ سکا۔ نتیجہ یہ کہ جرگہ ناکام رہا۔ کوئی سمجھوتہ ہو نہ سکا تو بلا کسی اقرار یا معاہدہ کے ارکان جرگہ رخصت ہو گئے۔

اس طرح حصول مقاصد میں انگریز کو کامیابی حاصل نہ ہوئی تو اس نے قبیلہ ننگش سے برائے راست گفتگو شروع کر دی جو آدم خیل افریدیوں کے متصل آباد ہے۔ انگریز نے سوچا کہ اگر اس قبیلہ کو رام کر لیا جائے تو بوقت ضرورت اس کے ذریعہ کوہاٹ کی طرف سے درہ میں آمد و رفت بند کی جاسکتی تھی اور پشاور کی طرف تو خود انگریز کا کافی لشکر یا لشکر کا مرکز موجود تھا۔ جھگڑا یا جنگ بہر حال درے میں ہونی تھی اور ایسی حالت میں آدم خیل اور ننگش آپس میں ہی کٹ مرتے۔ انگریز کی یہ چال کامیاب رہی۔ قبیلہ ننگش کو اس پر آمادہ کر لیا گیا کہ وہ انگریز کی مدد سے کوتل پر قبضہ کر لے۔ اس طرح کوتل کے ہاتھ سے نکل جانے کا جو داغ انگریز کے دل پر لگ چکا تھا وہ بھی دور ہو سکتا تھا اور ان ہردو قبائل کی آپس کی دشمنی بھی مستحکم ہو سکتی تھی

کوہاٹ پر انگریزی قبضہ کے بعد قبیلہ ننگش کے ملک بہادر شیر خان کو کئی گاؤں کی سیادت اس شرط پر دی گئی تھی کہ وہ اس کے عوض ہائر وصول کرے گا۔ لیکن قحطی سے ہی عرصہ بعد ۱۸۵۷ء میں ایسی مشکلات پیش آئیں کہ وطن کو خیر باد کہتے ہوئے افریدیوں کے قبیلہ سپاہ کے پاس جا مقیم ہوا انگریز کی کوشش سے پھر واپس لوٹا تو درہ کے افریدیوں سے سمجھوتہ کر دیا گیا اور پھر درہ کے بالائی حصہ لاطراف کوہاٹ کی نگرانی اس کے سپرد ہوئی جو اس کی وفات ۱۸۵۸ء تک قائم رہی بہادر شیر خان کو ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کی طرف سے خلعت اور نواب کا خطاب بھی ملا تھا۔

قبیلہ نگش کے افراد نے اقدام شروع
کوئل پرنگش کا قبضہ اور اخراج کیا تو کوہاٹ سے انگریز لشکر بھی ان کی

امداد کو آپہنچا۔ ۱۱ نومبر ۱۸۵۳ء کو اس مشترکہ لشکر نے کوئل پرورش کر دی تا دم خیل
 جن کی نسبت خیال کیا جاتا تھا کہ حسب معمول میدان کارزار میں اتر آئیں گے خلاف
 توقع تماشائی کی حیثیت میں دکھائی دیے گئے۔ اور اس مشترکہ لشکر سے گتھم گتھا ہونے
 کی بجائے بڑی خاموشی اور اطمینان سے کوئل کی چوکی کو چھوڑ کر چل دئے قبیلہ نگش
 نے اس پر قبضہ کرتے ہی حفاظتی بربح بنانا شروع کئے۔ انگریز لشکر یہ سمجھتے ہوئے
 کہ آدم خیل تو مخالفت کرتے نہیں کوئل سے دور کمپ میں مقیم رہا۔ ادھر افریدیوں نے
 انگریز کی اس چال کو دیکھتے ہوئے دوسرے ہی دن ۱۲ نومبر کو کوئل پر اچانک حملہ کر دیا
 اور یہ حملہ اس شدت سے ہوا کہ انگریز لشکر کے پہنچنے سے قبل ہی قبیلہ نگش کے افراد
 کوئل کو چھوڑ کر انگریز کمپ میں جا پہنچے۔ نگش قبیلہ کے تین ملک اس جنگ میں
 کام آئے۔ ایک انگریز کپٹن کے بھی گولی لگی۔ انگریز کا بنانا یا کھیل بگڑ گیا تو اس نے
 کوہاٹ سے تازہ دم لشکر طلب کرتے ہوئے خواجہ محمد خان خٹک کو بھی ہدایت کی
 کہ وہ اپنے افراد کو لے کر موقع پر پہنچ جائے۔ اب کوئل پر افریدی قابض تھے تو نیچے
 انگریز اپنے کمپ میں بیٹھا موقع کی تلاش میں نظر آنے لگا۔

انگریز نے ان حالات میں صبر و حوصلہ سے
معاہدہ دسمبر ۱۸۵۳ء کام لیا۔ فوری طور پر مزید لشکر کی روانگی کو التوا

میں ڈالتے ہوئے سیاسی ریشہ دوانیاں شروع کر دیں۔ قبائل کو ایک دوسرے
 کے خلاف بھڑکایا جانے لگا۔ قبیلہ نگش پر وہ اثر انداز تو تھا ہی۔ مزید اقدام کرتے

ہوئے قبیلہ بستی خیل۔ سپاہ۔ اور جو اکی کو سبز باغ و کھانا شروع کئے۔ تا آنکہ وہ
 نگلش کی امداد و اعانت پر رضا مند ہو گئے۔ باقی قبائل نے یہ حالات دیکھے تو آپس
 میں کٹ مرنے کی بجائے اس پر اتفاق کر لیا کہ اگر انگریزان کے مواجب کی رقومات
 باقاعدہ ادا کرتا رہے تو وہ درہ کو ہاٹ کو آمد رفت کے لئے کھلا چھوڑ دیں گے۔ اس
 طرح انگریز کا مقصد بھی پورا ہو سکتا تھا اور افریدی خانہ جنگی سے بھی بچ سکتے تھے
 چنانچہ جب انگریز کے سامنے یہ تجویز پیش ہوئی تو اس نے اسے قبول کر لیا۔ مواجب
 کی رقومات ادا کر دینے کا فیصلہ ہوا اور ان ایام کی رقومات بھی ادا کر دی گئیں کہ
 جن دنوں یہ قبائل انگریز سے مصروف جنگ رہ چکے تھے اس طرح یکم دسمبر کے فیصلہ
 میں قبیلہ نگلش کو تین ہزار دو سو روپے سالانہ مواجب ملا۔ اس کے دو دن بعد
 ۳ دسمبر کو جو اکی اور دوسرے قبائل نے بھی معاہدہ پر دستخط کر دیئے تو ذیل کی رقومات

ملا۔ معاہدہ پر قبائلیوں کی طرف سے جن سربراہان و دکان نے دستخط کئے ان میں سے چند کے نام یہ ہیں
 شراکی۔ پائندہ خان۔ گل خان۔ میاں شیر احمد خان۔ دوست محمد خان۔

طور سہر۔ ملا خان۔ اکرم خان۔ شیراز۔ گلستان۔

اخوڑ۔ خان محمد۔ امیر نور۔ میرزا تاج خان۔ یوسف۔ میران۔ میر شکار۔ ضابطہ خان۔ جہد خان۔ جعفر خان
 قاسم خیل۔ ملک سراج۔ قاسم۔ شاہ دلی۔ مشکی۔

اسمیل خیل۔ بھوری خان۔ محبوب اللہ۔ محمود خان۔ فیروز۔ عمرے۔

جامو۔ شیردین۔ خان گل۔ نامدار۔

پایہ۔ شیراز۔ صاحب جان۔ یار خان۔ محمد مجیب۔

مواجب دکھائی دینے لگیں بنگش تین ہزار دوسو۔ بوستی خیل اور جواکی دو دو ہزار۔ سپاہ پانچ سو۔ اخوڑ حسن خیل بارہ سو۔ اور ان کے ایک ملک کو ایک ہزار پچاس۔ بشر کی۔ طور سپہ اور زرغن خیل کو نو سو پچاس۔ روپے سالانہ ملے تو چھ ہزار روپے ان لوگوں میں تقسیم ہوئے جنہوں نے انگریز لشکر کو سامان بہم پہنچایا تھا۔ یا حقیقتاً ان لوگوں میں تقسیم ہوئے جو اس کشمکش میں خاموش رہے ان تمام رقومات کی ادائیگی اور تلگ و دو کے باوجود افریدیوں نے درہ کوہاٹ میں پختہ سڑک تعمیر کرنے کی تجویز کو مسترد کر دیا تھا۔

قلعہ مکسن کی تعمیر | انگریز اور افریدیوں کے درمیان معاہدہ ہو جانے کے باوجود کوئل کا مقام زیر نزع رہا۔ انگریز چاہتا تھا کہ اس کا مکمل اقتدار قائم رہے جبکہ افریدی اپنے قلب میں انگریزی علم نصب دیکھنا برداشت نہ کر سکتے تھے۔ طرفین حصول مقاصد کے لئے سرگرم عمل تھے طاقت و قوت کے ساتھ تدبیر اور چال بازی سے کام لیا جا رہا تھا۔ دونوں مستقبل کی فکر میں غوطہ زن تھے چنانچہ پیش بندی کے طور انگریز نے پشاور کی طرف درہ کوہاٹ کے قریب ایک قلعہ تعمیر کیا تاکہ درہ میں آمد و رفت کی نگرانی کیجا سکے اس قلعہ کا نام پشاور کے کسٹرن لفٹنٹ کرنل فریڈرک مکسن کے نام پر قلعہ مکسن رکھا گیا۔

۱۸۵۷ء فریڈرک مکسن پشاور کا پہلا انگریز کسٹرن تھا جو ۱۸ ستمبر ۱۸۵۷ء کو ایک پٹھان کے ہاتھوں زخمی ہو کر ۱۴ ستمبر کو اس دنیا سے چل بسا۔ پشاور چھاؤنی میں اسے سپرد خاک کیا گیا۔ اور اس کی قبر پر جو کتبہ لگا اس کی عبارت خود گورنر جنرل نے لکھی تھی قتل کے الزام میں جس پٹھان کو تختہ دار پر لٹکایا گیا تھا اس کی لاش کو مرنے کے بعد جلا دیا گیا۔ یہ قلعہ پشاور کے جنوب میں سترہ میل اور درہ کوہاٹ کے شمال میں کوئی ۲۵ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ ابتداً اس میں دو سو پیادہ اور تین سو سواروں کے رہنے کی گنجائش تھی بعد میں جب اس کی فوجی اہمیت باقی نہ رہی تو اس کے بہت سے حصے کو گرا دیا گیا اور پھر وہ بالکل برباد ہو گیا (فرانسس کننگہم) کی ایک جوکی کی حیثیت میں دکھائی دینے لگا۔

دادی پوری میں انگریز لشکر کا اقدام | دسمبر کا مذکورہ معاہدہ دیر پا ثابت نہ ہو سکا اندر ہی اندر ،

اختلافات پرورش پاتے رہے افریدیوں کو یقین تھا کہ انگریز کی ہر چال اس مقصد سے چلی جا رہی تھی کہ درہ کو ہاٹ پر اس کا حاکم نہ اقتدار قائم ہو جائے۔ انگریز بھی اسی مقصد کے لئے کوشاں تھا۔ قبیلہ جواکی معاہدہ ۱۸۵۷ء سے مطمئن نہ تھا۔ اس وجہ سے وقتاً فوقتاً اس کی زبان سے عدم اطمینان کا اظہار ہو جاتا رہا۔ ناراضگی ظاہر ہوتی رہی۔ لیکن انگریز چونکہ دوسرے قبائل سے راہ درسم پیدا کر چکا تھا اس وجہ سے اس نے اس طرف کوئی خاص توجہ نہ دی۔ ان کی دبی دبی ناراضگی کو درخور اعتنا نہ سمجھا۔ رفتہ رفتہ یہ اختلافات منظر عام پر آنے لگے اور ان اختلافات نے پشاور اور کوہاٹ کے علاقہ میں ہنگامہ آرائی کی شکل اختیار کر لی۔ درہ کوہاٹ کا راستہ پر خطر نظر آنے لگا۔

انگریز قبائلیوں کی ان حرکات کو برداشت نہ کر سکتا تھا۔ کبھی بھر قوم سے الیٹ انڈیا کمپنی کی وسیع و طاقتور سلطنت مرعوب نہ ہو سکتی تھی پشاور میں قلعہ مکسن کے مقام پر انگریز لشکر جمع ہوا۔ حملہ کی تیاریاں شروع ہوئیں۔ اور اس یقین کے ساتھ کہ نساویا مخالفت کا مرکز علاقہ پوری تھا۔ اسی طرف لشکر کو ملینا رکھا۔ حکم ملا۔ دادی پوری کم و بیش بارہ میل طویل اور دشوار گزار ، پہاڑیوں میں واقع ہے۔ اس طرف جانے کے لئے کنڈاؤ اور سرغشہ کے دو ہی راستے ہیں۔ انگریز نے موخر الذکر راستہ اختیار کیا۔ افریدی بھی اپنی طاقت کے مطابق مقابلہ کے لئے تیار تھے۔ انگریز لشکر کے قبائلی علاقہ میں داخل ہونے

کے ساتھ طرفین نے آگ بھڑانا شروع کی۔ انگریز اپنے پورے لاؤ لشکر اور سامان جنگ سے آراستہ و پیراستہ ہو کر اس قبیلہ کے خلاف نبرد آزما تھا کہ جس کے پاس پرانی قسم بندی اور خنجر کے سوا کوئی اسلحہ نہ تھا۔ جس کے افراد و سائل رسل و رسائل سے قطعاً محروم تھے جن کا راشن ان کی پشت پر لٹکی ہوئی ایک روٹی اور پانی کی تیکڑا (وائر بائل) پر مشتمل تھا۔ اور اس راشن کے ختم ہو جانے پر انہیں مزید راشن پہنچانے کا کوئی ذریعہ دکھائی نہ دیتا تھا۔ اسلحہ و بارود کے سلسلہ میں ان کا نہ کوئی ذخیرہ تھا نہ آرڈیننس سٹور یا فیکٹری بلکہ قبیلہ کا ہر فرد گھر سے بندی اور چند گولیاں لیکر نکلتا اور مستقبل کا دار و مدار اس مال غنیمت پر رہتا کہ جو دوران جنگ میں انہیں انگریز سے حاصل ہو جائے۔ ایسے حالات میں بھی یہ قبائلی ایک ایک ایچ زمین پر لڑتے رہے۔ انگریز لشکر کو پریشان کرنے میں انہوں نے کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔ پھر انگریز کو مزید مشکل یہ درپیش آئی کہ جو تو نچانہ انگریز لشکر کی امداد کے لئے بھیجا گیا تھا اسے افریدیوں نے راستہ میں ہی مصروف رکھا۔ اس طرح انگریز کا لشکر دو حصوں میں تقسیم ہو گیا علاقہ پوری کی حفاظتی چوکیاں سمارنے کی جاسکیں۔ اور انگریز نے خیر اسی میں دیکھی کہ واپسی کا بگل بجا دیا جائے۔ البتہ انگریز کے حسب معمول راستہ کی ہر آبادی مسکن کو پیوند زمین کرنے میں ہی بہادری مضمر دیکھی۔ اور ایسی بہادری کے بعد واپسی پر اس خطرے سے کہ افریدی زیادہ پریشان نہ کریں اس نے کنڈاؤ کے راستہ سے لپٹا ہوا کا رخ کیا۔ لیکن قبیلہ جو اکی کے افراد اس راستہ پر بھی سایہ کی طرح انگریز لشکر کے ساتھ رہے اور اس لشکر کو لڑتے جھگڑتے قبائلی علاقہ سے باہر نکال آئے۔



ایک آزاد پٹھان قبائلی لباس میں



معائدہ ۱۸۵۴ء

انگریز کو وادی بوری کی طرف اقدام سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ نہ تو قبائلی مرعوب ہوئے نہ ہی درہ کو ہاٹ میں پرامن آمد و رفت جاری کرائی جاسکی۔ اختلافات بڑھتے ہی رہے۔ اس کے باوجود انگریز نے ہمت نہ ہاری۔ مختلف قبائل سے نامہ پیرا جاری رہا۔ علیحدہ علیحدہ ہر قبیلہ کو سبز باغ دکھانے کی کوشش ہوئی۔ بالآخر قبیلہ آدم خیل کے ذیلی قبیلوں کو جو پتاؤ جو اکی کے نام سے موسوم ہیں اس پر رضا مند کر لیا گیا کہ وہ درہ میں آمد و رفت کی ذمہ داری سنبھال لیں چنانچہ اس غرض کے لئے ۱۱ جنوری ۱۸۵۴ء کو ایک معائدہ پر دستخط ہوئے۔ تمام افریدی قیدی ہا کر دیئے گئے معطل شدہ جواب کی رقومات ادا کر دی گئیں اور دفعہ پھر درہ میں آمد و رفت دکھائی دینے لگی۔

معائدہ ۱۸۵۵ء

اس کے بعد ۱۸۵۵ء میں قبیلہ دولت زئی کی شلخ اتھان خیل نے درہ کے موجب میں اپنا حق جتایا اور ظاہر کیا کہ جس وقت بیندوقی اور فیروز خیل سے انگریز معائدہ کر رہا تھا اس وقت ان قبائل کے آپس میں تعلقات خوشگوار نہ تھے۔ لیکن اس باہمی اختلافات کے دور ہو جانے پر وہ مذکورہ قبائل کے ساتھ برابر کے شریک بن گئے اس وجہ سے انہوں نے اپنا حصہ رسد ہی طلب کیا۔ انگریز کا فائدہ اس میں تھا کہ زیادہ سے زیادہ قبائل کو موجب میں شریک کیے۔ اس نے اتھان خیل کی حمایت کی نتیجہ یہ ہوا کہ ۲۲ مارچ ۱۸۵۵ء کو ایک معائدہ ہو گیا جس کی رو سے اس قبیلہ کا حق تسلیم کر لیا گیا۔

۱۔ اس معائدہ پر دستخط کرنے والوں میں ذیل کے افراد قابل ذکر ہیں۔ گلزننگ۔ موسیٰ خاں۔ عالم شیر نتج شیر محمد امین۔ مجید خان۔ زرین۔ ۲۔ نوٹ صفحہ ۱ پر دیکھیے۔

معائدہ ۱۸۵۹ء

جب فریقین آپس میں ایک دوسرے کو شک کے
 شبہ سے دیکھ رہے ہوں۔ تو اعتماد پیدا نہیں
 ہوتا۔ وقتی ضرورت دونوں کو مل بیٹھنے پر آمادہ کر سکتی ہے لیکن یہ اتحاد دیر پا
 نہیں ہو سکتا۔ انگریز اور قبائلیوں کے درمیان بھی وقتی ضروریات یا مجبوریات
 دونوں کو متفق کرنے کا باعث بنیں۔ لیکن دلوں کے شکوک دور نہ کئے
 جاسکے۔ پھر حقیقت وہ دور ہو بھی نہ سکتے تھے۔ دونوں کے مقاصد جدا اور
 دونوں میں بنیادی اختلافات حائل تھے۔ انگریز چاہتا تھا کہ ہر قیمت ادا کر دینے
 پر وہ سرحد کی پہاڑیوں کو اپنے زیر تسلط لے آئے جبکہ قبائلی کسی قیمت پر طوق
 غلامی کو زیب گلو کرنے پر آمادہ نہ تھے۔ آزادی و غلامی کی خلیج تھی۔ یہی وجہ ہے کہ
 ہر معائدہ پر دستخط کر دینے کے بعد بھی طرفین ایک دوسرے کو مشکوک لگا ہوں
 سے دیکھتے تھے۔ اور ابھی کہ معاہدہ کی سیاہی پوری طرح خشک بھی ہو پاتی
 تھی کہ پھر اختلافات اور ہنگامہ آرائی کی اطلاعیں سنائی دینے لگتی تھیں اس موقع
 پر بھی ایسا ہی ہوا۔ معائدہ کو زیر عمل آئے ایک سال بھی نہ ہونے پایا تھا کہ اختلافات
 نے مہر اٹھایا۔ انگریز نے نشہ اقتدار میں اسے رعونت سے کچل دینا چاہا۔ تو
 قبیلہ باسی خیل نے انیٹ کا جواب پتھر سے دینے کا فیصلہ کیا اور اپنے علاقہ
 سے نکل کر انگریز کے مقبوضہ علاقہ میں ہنگامہ آرائی شروع کر دی فروری ۱۸۵۹ء
 میں پشاور کے گرد و نواح میں ایک قتل ہوا۔ اور اس کے چند دن بعد موضع
 چڑھ بیر (ضلع پشاور) کے قریب انگریزی کمپ پر ڈاکہ پڑا تو انگریز نے اس

۲۷ نوٹ صفحہ ۱۸۹ اس معاہدہ پر ذیل کے نمائندگان نے دستخط کئے۔ ملک عوض خان۔ خان گل میاں
 عالم خان۔ خواجہ نور اکرام۔ منصور خان۔ پائندہ خان۔ عبد السیم۔ کنیر خان۔ حسن خالد خان
 فقیر۔ مشکی۔ میاں اکبر حسین۔

قبیلہ کی ناکہ بندی کا اعلان کر دیا۔ مقبوضہ علاقہ میں جس قدر افراد مل سکتے تھے قید و بند میں ڈال دیئے گئے۔ موجب کی ادائیگی روک لی گئی اس کے باوجود ان فریدیوں کی سرگرمیوں میں کوئی فرق نہ آیا۔ چوبیس دن تک درہ کو ہاٹ سے کسی کو گزرنے کی ہمت نہ ہو سکی اس کے بعد دوسرے قبائل کی کوشش سے کہ جو درہ کو کھلا رکھنے کی ذمہ داری لے چکے تھے۔ درہ میں آمد و رفت پھر جاری ہو گئی لیکن قبیلہ مذکور نے اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ انگریز نے جب دیکھا کہ ہینوں کی ناکہ بندی کے باوجود باسی خیل ہتھیار پھینکنے پر رضامند نہ ہو سکے تو اس نے ایک نئی چال چلی اور ۱۸۵۶ء کے شروع میں بلا کسی معاہدہ یا گفتگو کے ناکہ بندی اٹھادی۔ قیدی رہا کر دیئے۔ البتہ موجب کی ادائیگی بند ہی رہی اب ان بدلے ہوئے حالات میں سلسلہ جنمائی شروع ہوئی اور موجب کی ادائیگی کا اقرار کیا تو یہ قبیلہ بالآخر کہیں ۱۸۵۹ء میں جا کر اس امر پر رضامند ہو گیا کہ درہ کو ہاٹ کے راستہ میں کسی قسم مداخلت نہ کرے اور پانچ سال تک اس راستہ پر کوئی جنگ نہ لڑی جائے۔ چنانچہ معاہدہ پر دستخط ہوئے۔ یہ معاہدہ کچھ دیر پا ثابت ہوا۔ اور اختتام مباد معاہدہ پر ۲۱ فروری ۱۸۶۵ء تک وسعت دے دی گئی۔

قبائلیوں کی خانہ جنگی | مذکورہ معاہدہ کی مباد توسیع کے دوران میں قبیلہ اھوڑ وال باہمی نزاع کا شکار ہوا اور یہی کچھ قبیلہ باسی خیل کو درپیش تھا۔ اختلافات پیدا ہوئے یا کر دیئے

گئے تھے اس طرح کہ وہ آپس میں گتھم گتھا ہونے لگے درہ کو ہاٹ کے راستہ پر خطرات کے بادل امنڈ آئے۔ آمدورفت کے لئے خطرہ پیدا ہوا ان حالات میں انگریز نے فروری ۱۸۶۶ء میں از خود درہ کے بند ہو جانے کا اعلان کر دیا۔ لیکن اس کے لئے یہ سودا بہت منہگا پڑا۔ اسے خود پشاور سے کوہل جانے کے لئے کالا باغ کا طویل راستہ اختیار کرنا ناگزیر ہو گیا۔ مذکورہ قبائلیوں کے بموجب کی ادائیگی روک لی گئی لیکن وہ حصول بموجب کی خاطر باہمی جنگ و جدل کو بند نہ کر سکے۔ پھر سلسلہ نامہ و پیام شروع ہوا۔ بالآخر جب ۲۴ اکتوبر کو یہ قبائلی اس پر رضا مند ہوئے کہ وہ سڑک کو محفوظ رکھیں گے اور سڑک پر کسی قسم جنگ نہ لڑی جائے گی تو ۶ نومبر ۱۸۶۶ء کو درہ میں آمدورفت کے کھل جانے کا اعلان ہوا۔

اس فیصلہ اور اعلان کے باوجود قبیلہ حسن خیل اور باسی خیل دوسرے قبائل سے متفق رائے نہ ہو سکے انہوں نے اس معاہدہ یا اقرار کی مخالفت شروع کر دی۔ انگریز جانتا تھا کہ ایسی حالت میں کہ دوسرے قبائل اقرار کر چکے تھے اسے صرف ان دو قبیلوں سے برد آزار ہونا پر ٹکیا چنانچہ ان فروری ۱۸۶۶ء کو ان قبائل کا مقبوضہ علاقہ میں داخلہ بند کر دیا گیا۔ تاکہ بندی شروع ہوئی۔ وہ بھی نہ گامہ آرائی پر اتر آئے۔ ملک دریا خان کو اپنی بہادری جو انمردی۔ جرات اور دلیری کے لئے شہرت حاصل تھی۔ بہت سے جانباز اس کے گرد جمع تھے۔ اس نے انگریز کا اعلان سنا تو ناکہ بندی توڑنے کا فیصلہ کیا اپنے ساتھیوں کو ساتھ لئے انگریز کو پریشان کرنے لگا۔ مقبوضہ علاقہ میں پیدا

کر دے شورش نے اس کی شہرت کو اور بھی چار چاند لگا دیے۔ پہرہ دیتے ہوئے زندہ سپاہی اٹھالے گیا اور ہر فوجی پاڑٹی پر جو اس کے راستہ میں دکھائی دیتی فائر کرتا رہا۔ اور صفر قبیلہ حسن خیل نے کالا باغ کے راستہ کو بھی پر خطر بنادیا۔ ڈاک لوٹ لی۔ اور نہنگامہ آرائی میں آئے دن اضافہ ہی ہونے لگا۔

انگریز نے یہ حالت دیکھی تو قبائلی
مٹرک پر جنگ لڑنے کا اقرار ۱۸۶۷ء
 جرگہ طلب کیا۔ واقعات زیرہ

بحث آئے۔ انگریز چاہتا تھا کہ اس نہنگامہ آرائی کا تمام قبائل کو ذمہ دار گردانے۔ قبائلی اسے تسلیم کرنے کو تیار نہ تھے۔ گفتگو میں ایسی گرمی پیدا ہوئی کہ ارکان جرگہ بحث ختم کئے بغیر اٹھ کر چل دیئے۔ اب جنگ ناگزیر تھی طرفین کو ایک دفعہ پھر اپنی طاقت دکھانے کا موقع ملا۔ انگریز پہلے سے ہی تیار تھے لشکر کو تیاری کا حکم ملا۔ اس کا ایک حصہ موضع جلوزئی (پشاور) اور دوسرا حصہ متنی (پشاور) میں جمع ہوا اور تیسرے حصہ کو ہدایت ملی کہ وہ کوہاٹ سے چل کر جاناخواڑ۔ کوہی اور ترونی کو ہر باد کریں۔ اپریل ۱۸۶۷ء کو اس لشکر نے اقدام کرنا تھا جس کے ساتھ ایک ہزار خلک بھی تھے جنکی عارضی خدا انگریز نے حاصل کر لی تھیں انتظامات مکمل ہو چکے تو ۸ اپریل کو کہ لشکر نے اقدام شروع کرنے کا فیصلہ کیا خلاف توقع اور اچانک قبیلہ باسی خیل نے جنگ نہ لڑنے کا اعلان کرتے ہوئے گفتگوئے صلح پر اظہار آمادگی کر دیا۔ سلسلہ جنبتانی ہونے لگی تو ۱۸ اپریل کو قبیلہ حسن خیل نے اس کی ہمنوائی شروع کر دی۔ بالآخر شرائط صلح طے پا گئیں قبائلیوں نے سات سال تک درہ کی مٹرک پر کسی قسم جنگ نہ لڑنے کا اقرار کیا تو ان کے بموجب کی رفومات میں بالترتیب چار سو اور چھ سو روپے سالانہ

کا اضافہ کر دیا گیا۔ اس طرح خبگ کے باطل بلا بر سے واپس لوٹ گئے۔

انگریز کو یقین تھا کہ قبائلی ایفائے

دائیں سرے ہند

درہ کوہاٹ میں ۱۸۷۰ء

عہد سے گریز نہ کریں گے تو درہ کی
سڑک بے خوف و خطر استعمال ہونے

لگی۔ چنانچہ ۱۸۷۰ء میں لارڈ میو دائیں سرے ہند نے درہ کوہاٹ کا سفر اختیار کیا

یہ پہلا دائیں سرے ہند تھا جو اس راستہ سے گزرا۔ درہ میں آمدورفت جاری رہی

لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد پھر اختلافات شروع ہوئے۔ افریدی اپنے عہد

پر قائم رہے درہ کے راستہ میں تو انہوں نے کسی قسم مداخلت نہ کی۔ لیکن انگریز

کو پریشان کرنے کے لئے مقبوضہ علاقے میں ہنگامہ آرائی شروع کر دی۔ چنانچہ

زرغن خیل اور بوستی خیل قبائل کے افراد نے ۱۵ مارچ ۱۸۷۰ء کو انگریزوں

کے چند افراد قتل کر دیے ان کا مال و اسباب لوٹ لیا۔ جوش انتقام میں انگریز

نے ان کی ناکہ بندی کا اعلان کیا۔ ان قبائل کے ان تمام افراد کو جو مقبوضہ علاقہ

میں تھے گرفتار کر لیا۔ ان کے مال و اسباب پر قبضہ ہوا جس پر قبیلہ نے احتجاج کیا

تو انگریز نے جرگہ طلب کر لیا۔

قاتلوں کی حوالگی سے انکار | دوران گفتگو میں انگریز نے قاتلوں کی حوالگی

کا مطالبہ کیا۔ جس پر ارکان جرگہ نے بتایا

کہ وہ تحقیقات کرنے کے بعد رسم ملک کے مطابق خود ہی سزا تجویز کریں گے۔

لیکن انگریز قاتلوں کی حوالگی پر مصر تھا۔ اس اصرار کو دیکھتے ہوئے اسے صاف

الفاظ میں بتا دیا گیا کہ قبائلی رسم ملک کے مطابق دو مہرے قبائل کے ایسے قاتلوں

کو بھی حوالہ نہیں کیا کرتے جنہوں نے ان کے پاس آکر پناہ لی ہو۔ چہ جائیکہ وہ اپنی قوم کے قاتل انگریز کے حوالہ کر دیں۔ جب گفتگو میں گرمی پیدا ہوئی اور انگریز نے دیکھا کہ حالات بگڑنے لگے تھے تو اس نے اس شرط کو یوں بدل دیا کہ ملک باشو شیردل زرغن خیل۔ اور یسین بوستی خیل کو ایک ایک سال کے لئے اپنے گھروں سے نکال دیا جائے اور ان کے گھر جلا دیے جائیں۔ افریدی اس شرط کو بھی تسلیم کرنے پر آمادہ نہ تھے۔ بحث جاری تھی کہ شیر بہادر خان ننگش کے بھائی عطا محمد خان نے کھڑے ہو کر اس شرط کو تسلیم کر لینے کا اقرار کر دیا۔ ارکان جرگہ عجیب الجھن میں پڑ گئے۔ رسم ملک کے مطابق جب تک ارکان جرگہ متفق نہ ہو لیں فیصلہ کا اعلان نہیں کیا جاتا اور جب اعلان ہو جائے تو اس پر عمل درآمد فرض سمجھ لیا جاتا ہے عطا محمد خان کا اعلان انگریز کے سامنے اس امر کا ثبوت پیش کر رہا تھا کہ جرگہ شرط کو تسلیم کر چکا۔ اب اگر ارکان جرگہ مخالفت کرتے تو دو گونہ مشکلات میں مبتلا ہو جاتے۔ اول تو ایک دیرینہ روایت کو ٹھیس لگتی۔ دویم باہمی اختلافات پیدا ہو جانے کا خطرہ دامگیر ہو جاتا اس وجہ سے خاموش ہو گئے۔ معاملہ ٹل گیا۔ درہ کوہاٹ میں دس دن تک آمد و رفت بند رہنے کے بعد پھر راستہ کھل گیا اور حالات معمول پر دکھائی دیے گئے۔

۱۔ جن افراد پر قتل کا الزام تھا ان میں ایک کا تعلق افریدیوں کے قبیلہ زرخیل (خبر خیزی)

سے تھا وہ درہ کوہاٹ کا باشندہ نہ تھا اس وجہ سے مندرجہ بالا شرط میں اس کا ذکر نہ ہوا۔ بعد میں نذر علی نامی یہ شخص انگریز کے چکل میں آچنسا تو اسے کوتل کے مقام پر پھانسی دیدی گئی۔

انگریز ابتدا ہی سے درہ میں
درہ میں سٹک تعمیر کرنیکی پھر مخالفت
 پختہ سٹک تعمیر کرنے کی فکر میں تھا

تاکہ لٹا اور کوہاٹ کے درمیان آمد و رفت کو آسان بنایا جاسکے، لشکر کی
 نقل و حرکت میں کسی قسم مشکل درپیش نہ آئے اور وقت ضرورت فوجی سامان
 اور رسل و رسائل میں سہولتیں میسر آئیں۔ لیکن افریدی اس پر ابتدا ہی سے
 رضامند نہ تھے اور مذکورہ اکثر جنگوں اور نہ گامہ آرائیوں کے پس پردہ یہی تعمیر سٹک
 کا سوال محور حرکت دکھائی دیتا ہے۔ رفتہ رفتہ جب انگریز کو مقبوضہ علاقہ پر اقتدار
 حاصل ہو گیا۔ اس کی گرفت مضبوط ہو چکی اور اس کے نیچے سبز زمین سرحد پر گڑھ جکے
 نوکیشن گیوکناری نے ۱۸۷۳ء میں پھر اس مسئلہ کو ہوا دی۔ حکومت مرکزی
 کو اس کی ضرورت اور اہمیت کا احساس دلایا۔ افریدیوں کو اس کی خوبیوں
 اور اس سے حاصل ہونے والے فوائد کا قائل کیا جانے لگا۔ قبیلہ بگلش
 کے بہادر شیر خان انگریز کی طرف سے پیش پیش تھے بطویل گفتگو اور بحث
 مباحثوں کے بعد جب بہادر شیر خان نے حکام کو یقین دلادیا کہ تعمیر سٹک کے
 مسئلہ میں قبائلی مخالفت نہ کریں گے۔ تو جولائی ۱۸۷۳ء میں اس سٹک کی
 تعمیر کا آخری فیصلہ کر دیا گیا۔ لیکن یہاں ہمہ کوئی ڈیرہ ھ سال تک اس کا رسماً
 اعلان نہ ہوا۔

ملک بہادر شیر خان کی مساعی سے قبائلیوں کی اکثریت رضامند

۱۔ نوکیشن گیوکناری بعد میں حکومت ہند کی طرف سے افغانستان میں سیفر مقرر ہوا۔
 اور کابل میں ہی اسے قتل کر دیا گیا تھا۔ پٹھان اسے عام طور کا مناری صاحب کے نام سے
 یاد کرتے ہیں۔

ہو چکی تھی۔ لیکن باشندگان موضع شری کی کورضا مند نہ کیا جاسکا۔ انہوں نے
 علانیہ مخالفت شروع کر دی۔ سترک پر بڑے بڑے پتھر پھینک دیئے۔ آنے جانے
 والوں کو بھی پریشان کیا جانے لگا۔ اور حالات اس قدر بگڑ گئے کہ درہ میں آمد و
 رفت بند کر دینے کے سوا چارہ کار ہی نہ رہا۔ چنانچہ ۲۷ دسمبر ۱۸۷۵ء کو انگریزوں
 نے اس راستہ کے بند ہو جانے کا اعلان کر دیا۔ اور مزید گفتگوئے لئے جرگہ
 طلب کیا۔ افریدی بذریعہ گفتگو فیصلہ کرنے پر رضا مند تھے۔ لیکن باشندگان
 شری کی نے اپنی مخالفت نہ چھوڑی اور علاوہ ازیں رسم ملک کے خلاف
 جرگہ میں شمولیت سے ہی انکار کر دیا۔ جرگہ طلب کرنے والے انگریز کے لئے اس
 سے بڑھکر اور ذلت کیا تھی کہ اس کی دعوت پر شری کی جرگہ میں ہی شمولیت
 تجویز کیا کہ گفتگوئے جرگہ کو التوا میں ڈال کر ان کی ناکہ بندی کے احکام جلدی کر دیئے، فروری ۱۸۷۶ء
 کو ناکہ بندی کا اعلان ہوا تو شری کیوں نے ہنگامہ آرائی میں اور شدت پیدا کر دی درہ کا راستہ
 تو بند تھا ہی مقبوضہ علاقہ میں ڈاکے ڈالے جانے لگے جسے کہ ۱۶ فروری کو ان لوگوں نے وہ حفاظتی
 چوکیاں بھی جلادیں جو قبیلہ اورک زئی اور جواکی کے قبضہ میں تھیں ان حالات میں ناکہ بندی
 کو اور سخت کر دیا گیا اور جن افراد کی نسبت خیال ہوا کہ وہ اس ہنگامہ آرائی میں امداد کر رہے
 تھے انکا مقبوضہ علاقہ میں مال ضبط کر لیا گیا اور جبکی قابل کاشت اراضی درہ کے قریب تھی اس
 پر بھی انگریز نے قبضہ جمایا۔ ۱۷ فروری کو بھاری فوجی حبیت کی نگرانی میں ان کے فصل کاٹ گئے افریدی
 بھی خاموش نہ تھے وہ موضع کو ٹکے کے قریب مقیم ہو کر مقابلہ کیے رہے نتیجہ یہ ہوا کہ جو لوگ
 سترک تعمیر کرنے کے مسئلے میں انگریز کے ہموار بن چکے تھے ان حالات میں وہ بھی ایک دفعہ پھر انگریز
 کی مخالفت پر اتر آئے۔

ملک نعیم خان کی سرگرمیاں | قبائلی غیر مطمئن ہو کر نہنگامہ آرائی پر
 اتر آئے۔ انگریز نے نامہ پیام کے
 ذریعہ انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کی۔ ملک بہادر شیر خاں پوری مستعد
 سے سمجھوتہ کرانے کے لئے تگ و دو کرتا رہا اور اس کی کوششیں بڑی
 حد تک کامیاب بھی ہوئیں۔ آہستہ آہستہ قبائلی قیام امن کے لئے رضامند
 ہونے لگے۔ لیکن قبیلہ حسن خیل آمادہ بہ صلح نہ ہو سکا۔ بلکہ اس نے قبائلی
 علاقہ سے نکل کر مقبوضہ علاقہ میں ادھم مچایا۔ ان دنوں اس قبیلہ کے
 ملک نعیم خان کو شہرت حاصل تھی اس کی بہادری اور دلیری کے چرچے
 ہر طرف سنے جا رہے تھے۔ مقبوضہ اور آزاد دونوں علاقوں میں گھر گھر اس
 کی تعریف میں اشعار گائے جانے لگے۔ (اور اس وقت تک یہ اشعار سنے
 جاتے ہیں)۔ وہ اپنے ساتھیوں کو لئے مقبوضہ علاقہ میں مختلف مقامات
 پر پہنچ کر انگریز کو پریشان کرنے کا باعث بنا۔ اس نے پشاور سے لے کر
 نوشہرہ تک جا ہاتھ مارا۔ اور ۱۰ فروری ۱۸۴۷ء کو پولس کی ایک چوکی
 کو لوٹ لیا جس میں دو سپاہی مارے گئے۔ اس کے بعد نوشہرہ کے بازار کو
 جہاں فوج اور پولس مقیم تھی جا لوٹا۔ ناکہ بندی بے کار نظر آنے لگی۔ تو انگریز
 نے سیم و زر کی چھکارا دینا شروع کیا و کرنے والوں کی امداد سے معاملہ کو سلجھانے
 کی فکر کی۔ نعیم شاہ کے خلاف کسی سخت اقدام کا ارادہ تک ظاہر نہ ہوا۔ بالآخر
 انگریز نے جب یہ وعدہ کر لیا کہ نعیم شاہ کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی
 جائے گی تو فروری کے اواخر میں قبیلہ حسن خیل آمادہ بہ صلح ہو گیا۔

پھر مارچ ۱۸۷۷ء میں قبیلہ گلانے نے اس پہاڑیہاں رضا مندی کیا کہ انگریزوں کو ہاٹ سے کوتل تک سڑک تعمیر کرے اس طرح ایک دفعہ پھر اطمینان کا سانس لیا جانے لگا۔ اور وقتی طور جنگ کے بادل فضا سے دور نظر آنے لگے۔

درہ میں گورنر پنجاب کی آمد

اس دوران میں ۲۶ مارچ ۱۸۷۷ء کو لفٹننٹ گورنر پنجاب نے کوہاٹ سے درہ کے راستہ لپا اور کا سفر اختیار کیا۔ بہادر شیر خان کو جو سڑک کی تعمیر کے سلسلہ میں قبائلیوں کو رضا مند کرنے کی انتھاک کوشش کر رہا تھا "نواب" بنادیا گیا۔ انگریز نے اس کی خدمات کا اعتراف کیا قبائلیوں کے مواجب ادا ہونے لگے جو اس وقت یوں دکھائی دے رہے تھے۔

آدم خیل ۶۹۴۰ روپے

اورک زئی ۲۵۰۰

بنگش ۴۴۰۰

۱۔ آدم خیل: جن خیل - زرغن خیل - طور سہر - پوستی خیل - شرکی - سیکے -

باسی خیل { میزان ۶۹۴۰ } ۲۔ اورک زئی - فیروز خیل - بیزوق - اتان خیل
سیاہ { میزان ۲۵۰۰ } ۵۰۰ ۵۰۰ ۱۰۰۰ ۵۰۰ ۵۰۰

البتہ قبیلہ جواکی کا موجب بند رہا۔ اس قبیلہ کے افراد نے اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ چنانچہ ۱۰ جولائی ۱۸۷۷ء کو کوہاٹ اور خوشحال گڈھ کے درمیان سلسلہ تلخراف کا ڈالا۔ پولیس کا ایک دستہ قیدیوں کو لے جا رہا تھا ان قبائلیوں نے ان سب کو اپنی حراست میں لے لیا۔ ان کی سرگرمیوں نے ایسی شدت اختیار کی کہ پنجاب کی طرف جانے والی سڑک (خوشحال گڈھ) خطرہ میں گھری نظر آئی۔ اس سڑک پر انگریزی لشکریوں کی لاشیں پڑنے لگیں۔ مال اسباب لوٹا جاتا رہا۔ سلسلہ تلخراف کے تارائے دن کاٹے جاتے رہے۔ اور راستہ کی ایک اہم پل کو نذر آتش کر دیا گیا۔ انگریز نے یہ حالت دیکھی تو اس مخالفت کو کچلنے کے لئے فوجی دستے روانہ کئے۔ لیکن اس سے حالات بدل نہ سکے تھے کہ ایک پورے دستہ کو ان لوگوں نے تہ تیغ کر ڈالا۔

قبیلہ گدیاخل پر انگریز کا شہنشاہ

درہ کوہاٹ میں آمدورفت کھل جانے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد جواکیوں کی منہگامہ آرائی کے دوران میں قبیلہ گدیاخل سے اختلافات رونما ہوئے تو جلد ہی حالات بگڑنے لگے۔ اس دفعہ کسی صلاحیت کی کوشش سے قبل ہی انگریز نے حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ ۱۴ اگست ۱۸۷۷ء کو رات کی تاریکی میں نہایت رازداری سے اقدام شروع ہوا۔ سوار تو سوار تھے ہی۔ پیادہ فوج کے لئے کرایہ کی گھوڑا گاڑیاں حاصل کی گئیں تاکہ سوار دھپا

بہ یک وقت منزل مقصود تک پہنچ سکیں۔ انگریزی یہ چال کامیاب رہی اس لشکر نے قبائلیوں کو سوتے میں جالیا۔ اور جب ان کی آنکھ کھلی تو لشکر چاروں طرف گھیر ڈلے دکھائی دیا۔ ایسی حالت میں جنگ نہ لڑی جاسکتی تھی اور شرائط صلح تسلیم کر لینے کے سوا کوئی چارہ کار ہی نہ تھا انگریز نے اس قبیلہ کے کوئی ایک سولہ جوانوں کو بطور یہ غمال ساتھ لیا تاکہ صلح کی خلاف ورزی نہ کی جاسکے اور اس کے ساتھ کوئی ایک سومویشی بھی یہ لشکر اپنے ساتھ ہانک کر لے گیا۔

جواکیوں کے خلاف لشکر کشی ۱۸۵۷ء

انگریز جواکیوں کی حرکات سے سخت پریشان ہو رہا تھا۔ بالآخر اس نے ان کے خلاف باقاعدہ اقدام کا فیصلہ کیا۔ ۹ نومبر ۱۸۵۷ء کو بھاری تعداد میں لشکر کو روانگی کا حکم ملا جنگ آنکھوں کے سامنے دکھائی دے رہی تھی لیکن جب یہ لشکر قبائلی علاقہ میں پہنچا تو خلاف توقع افریدیوں نے حرکت تک نہ کی وہ تماشائی کی حیثیت میں دکھائی دینے لگے۔ انگریز نے بڑے اطمینان سے ترے کئے اور پایا پر قبضہ کر لیا۔ اس وقت بارش زوروں پر تھی۔ اس وجہ سے مزید اقدام جاری نہ رہ سکا۔ انگریز بارش ختم جانے کا انتظار کرنے لگا۔ اور افریدیوں کی روش دیکھتے ہوئے اسے یقین ہو گیا کہ افریدی جنگ لڑنا نہ چاہتے تھے۔ لیکن آسمانی بارش ختم ہونے کو تھی کہ انہوں نے اچانک آگ برسانی شروع کر دی۔ باقاعدہ جنگ لڑی جائے گی۔ انگریز لشکر اپنی کثرت تعداد اور فردانی سامان

جنگ کی وجہ سے پیش قدمی کرتا رہا حتیٰ کہ اس نے جامو پر بھی قبضہ کر لیا۔ افریدی
جم کر لڑ رہے تھے۔ اور حالت یہ تھی کہ انگریز لشکر چار دن تک وہیں مقیم رہا
اور بالآخر جامو کو خالی چھوڑ کر اس نے ٹوٹکے کی راہ لی۔

بوری وال افریدیوں کو پہلے سے غیر جانبدار رہنے پر رضامند کیا جا
چکا تھا۔ لیکن جب انگریز نے بلا اطلاع دیئے شاہ کوٹ کا راستہ اختیار کیا تو وہ
سمجھے کہ ان سے دھوکہ ہوا۔ اس وجہ سے مخالفت پر اتر آئے۔ اب انگریز لشکر
کی حالت خطرہ میں دکھائی دینے لگی اور مزید امدادی فوج کا روانہ کرنا ناگزیر
ہو گیا۔ پیش بندی کے طور پر ایسی امداد پہنچانے کا انتظام پہلے سے ہی کیا جا چکا
تھا۔ قلعہ مکسن میں روز اول سے ہی امدادی لشکر حکم کا منتظر بیٹھا تھا۔ چنانچہ
۲۷ دسمبر ۱۸۵۷ء کو وہ شیر غشتہ اور کنڈاڑ کے راستہ سے قبائلی علاقہ میں داخل
ہوا۔ افریدی مقابلہ کے لئے تیار تھے۔ ۲۸-۲۹ دسمبر کو شدید جنگ ہوئی
انگریز نے اس دوران میں علاقہ بوری کے چند حفاظتی برجوں کو مسمار کر دیا۔ اور
پھر اس کا زنامہ کے بعد واپسی کا بگل بجایا۔ انگریز لشکر ایک مہینہ سے زائد مصر
جنگ رہ کر واپس لوٹا۔ اتنی جنگ و جدل اور خونریزی کے بعد بھی حالات
جوں کے توں رہے اور ان میں کسی قسم کا فرق نہ آیا۔

قبیلہ جواکی سے معاندہ ۱۸۵۷ء

ان حالات میں انگریز خاموش نہ رہ سکنا تھا۔ اس کا اقتدار اور
اس کے اغراض دونوں خطرہ میں گھر چکے تھے۔ اس وجہ سے اس نے فیصلہ

کیا کہ اس موقع پر ایک ہی دفعہ ایسی کاری ضرب لگائی جائے کہ قبیلہ جواکی آئندہ کے لئے سرنہ اٹھا سکے۔ اور اس میں اسے بڑی حد تک کامیابی بھی ہوئی۔ وسیع پیمانے پر جنگ کی تیاریاں شروع ہوئیں۔ قلعہ مکس کو لشکر کے اجتماع کے لئے مرکز قرار دیا اور وہاں سے ۲۵ دسمبر ۱۸۵۷ء کو پورے ساز و سامان سے لشکر نے پوری چنیا کی طرف اقدام شروع کیا۔ افریدی بھی اپنے دفاع کے لئے جانیں قربان کرنے کو تیار کھڑے تھے۔ جنگ لڑی جانے لگی۔ انگریز لڑتے جھگڑتے لگے بڑھتا رہا۔ ۳۱ دسمبر کو اس نے پستونے کو برباد کیا۔ تو یکم جنوری ۱۸۵۸ء کو دولے اور گراہے کو پیوند زمین کرتے ہوئے اس نے شیر غاشی کی راہ لی۔

دوسری طرف کوہاٹ سے ۳۱ دسمبر کو انگریز لشکر نے پیش قدمی شروع کی تو راستہ کی آبادیوں کو برباد کرتے ہوئے ترکے کا رخ کیا۔ قتل و خونریزی جاری رہی۔ افریدی بڑی پامردی سے مقابلہ کرتے رہے۔ مقابل میں انگریز بھی جبر و استبداد میں کسی طرح کی آنے نہ دی۔ مقابلہ سخت تھا۔ افریدی کو تعداد اور سامان جنگ کی کمی کی وجہ سے کسی طرح انگریز کے مد مقابل نہ تھے۔ تاہم انہوں نے انگریز کو اس قدر پریشان کیا کہ ۴ جنوری کو پشاور سے پستونے اور کوہاٹ سے ورگئی سر کی طرف تازہ دم لشکر روانہ کرنا پڑا۔ پشاور کی طرف سے آنے والے لشکر نے ۵ جنوری کو دلتی میں کپ نصب کرتے ہوئے ۶ جنوری کو طور سیر پر حملہ کر دیا۔ دوسرے لشکر نے ۷ جنوری کو نار و خلہ کا رخ کیا تو دشت و بربریت کے اظہار میں کوئی کسر باقی رہنے نہ دی گئی۔ لیکن اس تمام جبر و استبداد کے باوجود قبائلیوں کو میطیع نہ کیا جاسکا اور جب افریدی

نے کسی طرح اظہار کمزوری نہ کیا تو انگریزوں نے لشکر کو واپس بلا لیا اور ایک دفعہ
پھر مجبوراً نامہ و پیام کا حربہ استعمال ہونے لگا اور حسب معمول افریدیوں کو
جرگے بلائے جانے لگے۔

حقیقت یہ ہے کہ افریدی بھی طویل جنگ سے تنگ آ چکے تھے انگریز
اپنی پالیسی میں کامیاب فرداً فرداً ایک ایک قبیلہ سے نہٹ رہا تھا۔ ان
حالات میں ان کے اکثر ملکوں نے صلح کر لینے پر اظہار رضا مندی کر دیا اور جب
انگریز نے انہیں یقین دلایا کہ ان کی آزادی میں کسی قسم مداخلت نہ کی جائیگی
تو قبیلہ جواکی نے کہ جس کے خلاف یہ سب ہنگامہ آرائی ہو رہی تھی ۴۷ مارچ
۱۸۸۷ء کو اقرار کر لیا کہ وہ آئندہ انگریز کو پریشان نہ کرے گا اور ساتھ ہی
تادان جنگ (۲۳) پرانی وضع کی بندوبستیں اور سچا پس روپے نقد بھی پیش
کر دئے۔ اس معاندہ کی شرائط میں یہ بھی مذکور تھا کہ قبیلہ از خود اپنے چار
ملکوں کو جنہیں جنگ و مخالفت کا سرغنہ خیال کیا جاتا تھا اپنے علاقہ سے
نکال دے گا اور دویم یہ کہ انگریز کو اگر کسی وقت کسی ضرورت سے قبائلی علاقہ
میں کسی جگہ کی تلاشی لینا پڑے تو قبیلہ اس پر بھی معترض نہ ہوگا۔ یہ دونوں
شرائط ایسی تھیں جن سے اس قبیلہ کے ناقابل بیان حد تک کمزور ہو جانے
کا پتہ چلتا ہے۔ کیونکہ اس وقت تک کسی چھوٹے بڑے قبیلہ نے ایسی شرائط
تسلیم کی تھیں جن ملکوں کے علاقے سے نکالے جانے کا ذکر تھا وہ از خود علاقہ
کو چھوڑ گئے تاکہ ان کی وجہ سے کمزور قبیلہ اور زیادہ کمزور نہ ہو۔ لیکن بہت
دن گزرنے نہ پائے تھے کہ اس قبیلہ کے بعض افراد نے ملکوں کے اخراج



فائد اعظم محمد علی جناح



مولانا محمد علی جوہر



کی شرط کو اپنی خود داری کے خلاف گردانتے ہوئے انہیں واپس بلا لیا۔ انگریز خاموش رہا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ان ملکوں نے بھی واپسی کے بعد کوئی ایسی حرکت نہ کی جس سے انگریز کو اقدام کا بہانہ ملتا۔ البتہ قبیلہ کے ایک ملک مشکی خان نے اس شرط کو اپنے بھائی کی بے عزتی پر محمول کرتے ہوئے بدلہ لینے کی ٹھانی اور مسلسل دس سال تک انگریز کو پریشان کرتا رہا۔ قبیلہ جواکی اس دوران میں خاموش رہا اور جب کبھی ملک مشکی کا سوال پیش ہوا تو اس قبیلہ نے اسے ملک مشکی خان کا ذاتی فعل قرار دیتے ہوئے اپنے آپ کو بری الذمہ قرار دیا۔ بالآخر نومبر ۱۸۸۹ء میں انگریز لشکر نے اچانک حملہ کرتے ہوئے ملک مشکی خان کو اس کے گاؤں میں جا کر گرفتار کیا۔

معاندہ ۱۸۹۲ء

قبیلہ جواکی کی خاموشی کے پیش نظر انگریز مطمئن نظر آنے لگا۔ درہ کو باٹ کے باشندوں کو آئے دن کی جنگوں اور دوسرے ذرائع سے کمزور بنا دیا گیا تا آنکہ انہوں نے مذکورہ بالا شرط تسلیم کر لیں۔ پھر جب ملک مشکی خان گرفتار ہوا تو انگریز کے پہلو سے یہ آخری کاٹھا بھی دور ہوا اب ایک جدید معاندہ کی داغ بیل ڈالی جانے لگی۔ گریے ہوئے کو گرا نامہ مستبد طاقت ور کا اصول رہا ہے۔ چنانچہ قبیلہ جواکی پر اثر ڈالا گیا کہ وہ اپنے علاقہ میں چار چوکیاں تعمیر کرے۔ ہر چوکی میں چار نفر مقیم رکھے جائیں۔ اس وقت اس قبیلہ میں اتنی سکت نہ تھی کہ مخالفت کرتا۔ رضا مند ہو گیا تو انگریز نے ۱۸۴۸ روپے سالانہ

حق الخدمت دینے کا اقرار کیا۔ ۱۸۹۲ء میں اس معاہدہ پر دستخط ہوئے۔ اس طرح ۱۸۵۱ء اور ۱۸۵۳ء کے معاہدے منسوخ قرار دیدیے گئے۔

نمک کے محصول پر اختلاف

افریڈیوں کے علاقہ میں نمک کی مشہور کانیں ہیں۔ وہ زمانہ قدیم سے اس نمک کی تجارت کرتے رہے۔ انگریزوں نے اس سرزمین پر قدم رکھنے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد ۱۸۵۰ء میں دو آنے سے چار آنے فی من محصول عائد کر دیا تھا عرصہ دراز تک یہ محصول ادا کیا جاتا رہا۔ کوئی وجہ اختلاف پیدا نہ ہوئی حالات بدلنے کے ساتھ ہی انگریزوں کو اس محصول کی شرح میں اضافہ کا خیال پیدا ہوا۔ تو ۱۸۸۳ء میں محصول کو آٹھ آنے فی من تک بڑھا دیا گیا۔ اب اختلافات شروع ہوئے افریدیوں نے اس اضافہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ انگریزوں نے ابتداً محصول عائد کرتے وقت مالکان زمین سے مشورہ کر لیا تھا۔ ان کی رضامندی سے محصول کی شرح مقرر ہوئی تھی۔ پھر اب بلا کسی مشورہ کے اس میں اضافہ کا انگریزوں کو کیونکر حق حاصل ہو گیا۔ لیکن جب یہ مسئلہ حکومت برطانیہ کے سامنے آیا

۱۔ اس معاہدہ پر دستخط کرنے والوں میں ذیل کے نام دکھائی دیتے ہیں ملک بہاری۔ ملک بہرام
ملک علم وین۔ ملک عالم دین (جو انکی اسماعیل خیل)۔ ملک فتح خان۔ ملک قادرے۔ ملک السی۔ ملک
(جو انکی قاسم خیل)۔ ملک مشکی۔ ملک عالم گل۔ ملک زرباز۔ ملک محمد عالم۔ ملک زرین۔ ملک تہران
ملک صدر۔ ملک ساغر۔ ملک عالم خان۔ ملک شندی گل۔ ملک غزن شاہ۔ ملک عمر خان۔ ملک مشکی
(جاموں) ملک ضمیر۔ ملک حمید۔

تو اس نے اسے حکومت کا بنی یا اندرونی معاملہ قرار دیتے ہوئے فیصلہ کیا کہ ایسے معاملات میں افریدیوں کو مداخلت کرنے کا کوئی حق نہ تھا۔ اس فیصلہ نے بگاڑ کی صورت پیدا کر دی۔ بوسنی خیل اور شرکی قبائل مقابلہ پر اتر آئے۔ انہوں نے سختی سے مخالفت کی۔ گوزرغن خیل اور انور ڈال بظاہر ان کے ہمنوا تھے لیکن ان کی سرگرمیاں کوئی خاص اہمیت حاصل نہ کر سکیں اور طور سپر والے اس جھگڑے میں الگ تھلگ کھڑے دکھائی دیے۔ انگریزوں نے یہ حالت دیکھی تو جون ۱۸۸۳ء میں جرگہ طلب کرتے ہوئے اپنی مافی الضمیر کو ظاہر کر دیا اور بتا دیا کہ اگر افریدی مخالفت پر اڑے رہے تو یکم جولائی سے ان کے مواجب بند کر دیے جائیں گے۔ اور جہاں تک حکومت کا تعلق ہے درہ کا راستہ بند رہے گا۔ البتہ جو لوگ اپنی ذمہ داری پر اس راستہ سے سفر کرنا چاہیں ان کے راستہ میں حکومت کسی قسم کا روٹ نہ ڈالے گی۔ بجٹ مباحثہ کے بعد ارکان جرگہ اٹھ کھڑے دیے۔ نامہ و پیام جاری رہا۔ بالآخر، ستمبر ۱۸۸۳ء میں سولے بوسنی خیل کے ذیلی قبیلہ مصری خیل کے باقی ملکوں نے اس اضافہ کو تسلیم کر لیا اور اس کے تین دن بعد یعنی ۱۰ ستمبر کو مصری خیل بھی ان کے ہمنوا بن گئے تو جنگ کے بادل چھٹے اور ایک دفعہ پھر اس امان دکھائی دینے لگا۔

سڑک تعمیر کرنے کا آخری معاہدہ ۱۸۹۹ء

درہ کو ہاٹ کا علاقہ اور اس کی آبادی بہت ہی محدود ہے۔ باشندوں کے ذرائع آمد و رفت اور وسائل زندگی بھی محدود ہیں۔ درہ کے ایک طرف پشاور

اور دوسری طرف کوہاٹ میں انگریز لشکر ہر وقت ڈیرے جمائے بیٹھا تھا۔ دونوں اطراف سے بہ آسانی ناک بندی کی جاسکتی تھی۔ پھر شمالاً جنوباً دوسرے قبائل آباد ہیں جن سے صلح و دشمنی باشندگان درہ کی حرکات پر ہمیشہ اثر انداز رہتی ہے۔ ان حالات اور مشکلات میں بھی یہ مٹھی بھر قوم انگریز جیسی طاقتور حکومت کا مردانہ وار مقابلہ کرتی رہی ۱۸۵۱ء سے ۱۸۹۲ء تک انگریز کو دم لینے نہ دیا۔ لیکن اس قدر طویل جنگ اور محدود ذرائع کی وجہ سے اس کا بالآخر کمزور ہو جانا ناگزیر تھا۔ چنانچہ رفتہ رفتہ اس کی کمزوری ظاہر ہونے لگی اور یہ اس کمزوری کا ہی اثر تھا کہ جب ۱۸۹۷ء میں سرحد پر قریب قریب تمام قبائلی علاقہ نے انگریز کے خلاف ہتھیار اٹھائے اور قومی جنگ کا نعرہ بلند ہوا۔ تو اس میں قبیلہ آدم خیل کا کوئی نمایاں ذکر دکھائی نہیں دیتا۔

انگریز نے اب ان کی کمزوری سے فائدہ اٹھانا چاہا اور ہر موقع ملنے پر اپنے اغراض پورے کئے۔ درہ کوہاٹ میں پختہ سڑک کی تجویز انگریز نے اپنی آمد کے بعد سے ہی پیش کر رکھی تھی۔ لیکن جنگ و جدل کے باوجود یہ سڑک تعمیر نہ کی جاسکی۔ افریقہ اس تجویز کو پسند نہ کر سکے۔ انگریز بھی مسئلہ کو التوا میں ڈالتا رہا۔ تا آنکہ ملک کے حالات کا صحیح جائزہ لیتے ہوئے اس نے ۷ ستمبر ۱۸۹۹ء کو یہ مسئلہ جرگہ کے سامنے پیش کر دیا۔ ۱۸۹۷ء کی جنگ میں انگریز اپنی طاقت کا مظاہرہ کر چکا تھا۔ وہ جنگ وقتاً پندیرہ ہو چکی تھی۔ باشندگان درہ کوہاٹ اپنی کمزوری اور انگریز کی طاقت سے اب ناواقف نہ تھے ان کے سامنے اقرار یا انکار دو ہی صورتیں تھیں اور جانتے تھے کہ انکار کی صورت میں بھی انگریز اپنی طاقت سے سڑک تعمیر کر لے گا۔ چنانچہ باہمی مشورہ کے لئے وقت لے کر ارکان جرگہ رخصت ہوئے اور پھر باہمی صلاح و مشورہ کے بعد

۱۸ ستمبر ۱۸۹۹ء کو بستی خیل، شرکی، زرغن خیل اور اخوڑ وال قبائل کی طرف سے معاہدہ پر دستخط کر دیئے۔ جس کی رو سے انگریز کو نہ صرف یہ کہ درہ کوہاٹ میں پختہ سرک تعمیر کرنے کا حق حاصل ہو گیا بلکہ اس کے ساتھ شرائط معاہدہ کے مطابق وقت ضرورت وہ اس علاقہ میں ریلوے لائن بچانے، سلسلہ تلغراف قائم کرنے یا چوکیاں بنانے کے لئے بھی جرگہ طلب کرتے ہوئے ان سے مشورہ کر سکتا تھا۔ اس معاہدہ کے بعد ان کے مواجب کی رقم میں تین ہزار روپے سالانہ کا اضافہ ہوا۔ اور اختتام تعمیر سرک پر دو ہزار پانچ سو روپے ان ملکوں کو بطور انعام دیئے گئے۔ جنہوں نے اس کام کے پایہ تکمیل تک پہنچانے میں امداد کی تھی۔ اس طرح انگریز کا ایک دیرینہ خواب شرمندہ تعبیر ہوا۔

اسے اس علاقہ پر اقتدار حاصل ہو گیا۔ اور باشندوں کے عزائم میں وہ بلندی باقی نہ رہی جو ابتدا سے دکھائی دے رہی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ کی جنگ عظیم (۱۹۱۴-۱۸ء) کے دوران میں جب ہندوستان کی شمال مغربی سرحد پر قبائلیوں میں کچھ حرکت نظر آنے لگی تو یہ علاقہ اس سے کوئی اثر نہ سکا اور پھر سویم جنگ افغانستان (۱۹۱۹ء) میں جبکہ اکثر قبائلی انگریز کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ یہ لوگ انگریز کی چاب باز یوں یا اپنی کمزوریوں کی وجہ سے کوئی حرکت نہ کر سکے۔ البتہ اس سے انہیں یہ فائدہ ضرور ہوا کہ ان کے مواجب کی رقم کو بڑھا کر دگنا کر دیا گیا تھا۔

۱۹۱۶ء میں چند مغزوروں نے جو علاقہ جاناخوار میں مقیم تھے۔ جن خیل اور آشو خیل قبائل کی

امداد سے انگریز کی مخالفت شروع کی تھی۔ لیکن کوئی قابل ذکر واقعہ ظہور پذیر نہ ہوا تھا۔

قبائلی علاقہ پر ہندوستانی تحریکات کا اثر

انگریز کو اپنے تمام دوران قیام ہندوستان میں کسی وقت بھی چین سے حکومت کرنے کا موقع نہ ملا وہ کسی وقت بھی ایسی فضا نہ پیدا کر سکا کہ باشندگان وطن اسے اپنا محب یا خیر خواہ سمجھنے پر مجبور ہوتے۔ اس نے اس ملک پر حکم کی حیثیت سے نہیں بلکہ حکمران کی حیثیت سے حکومت کی۔ پھر عوام کے دلوں پر قبضہ کرنے کی بجائے اپنے جبر و استبداد سے ان کے اجسام پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ ملک کے ذرائع آمدنی انگریز قوم کی فلاح و بہبود کے لئے استعمال ہوئے۔ باشندگان وطن کے جذبات ہمیشہ کچلے جاتے رہے۔ اگر تعلیم و تجارت کی طرف تھوڑی بہت توجہ دی بھی گئی تو اپنے اغراض کے پیش نظر تعلیم سے ایسے افراد پیدا کرنے مقصود تھے جو حکومت کی مشینری میں فٹ ہو کر اس کے چلانے کا باعث بنیں اور پھر پرزے بھی اس حیثیت کے تھے کہ ان پر مشینری کے چلنے کا دار و مدار نہ تھا۔ میدان جنگ میں قربانی پیش کرنے کیلئے باشندگان وطن کو

کو لشکر میں بھرتی کیا گیا۔ لیکن شاید ہی کسی کو کوئی اعلیٰ عہدہ نصیب ہوا ہو۔ مختصر یہ کہ انگریز اپنے آپ کو حاکم اور باشندگان ہند کو محکوم سمجھتے تھے۔ دونوں میں بحیثیت ریڈی رعایا کوئی تعاون یا اخلاص نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ کے ہر دور میں انگریز کی مخالفت کی جاتی رہی حکومت خود اختیاری حاصل کرنے کو مجالس منتخبی اور ٹوٹی رہیں۔ پرامن۔ اعتدال پسند اور انتہا پسند ہر قسم کے افراد نے انگریزی اقتدار کے خلاف آواز بلند کیا تا آنکہ ۱۸۵۷ء میں انڈین نیشنل کانگریس کی بنیاد پڑی تو ۱۹۰۴ء میں مسلم لیگ کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ یہ جماعتیں ایسی تھیں جو آئینی طریقہ پر حقوق طلب کر رہی تھیں لیکن ان کے پہلو بہ پہلو انتہا پسند افراد بھی تھے۔ جو ان مجالس کی آئین پسندی کو برداشت نہ کرتے ہوئے دوسرے طور طریقوں پر عمل پیرا رہے۔ دونوں کے طریق کار میں فرق تھا۔ لیکن غمناک نظر کسی طرح مختلف نہ تھا۔ کیونکہ دونوں کے پیش نظر اپنے ملک کو انگریز کے خچل سے آزاد کرانا تھا۔

ہندوستان میں جس قدر قومی تحریکات نے جنم لیا۔ قبائلی علاقے اس کا اثر قبول کرتے رہے۔ وہ سیاسی حیثیت سے اپنے آپ کو ان حرکات سے کتنا ہی تعلق ظاہر کرتے رہتے ہوں لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ وہ ہندوستان میں انگریز کی موجودگی کو اپنے لئے خطرناک اور سلطنت ہند کی کمزوری کو اپنے مفاد کے لئے بہتر سمجھتے تھے۔ چنانچہ جب انگریز کے جبر و استبداد سے ہندوستان میں ایسی حالت پیدا ہوئی کہ عوام تللا اٹھے۔ مخالفت رولٹ ایکٹ کے نام سے ”ہندو مسلم متحدہ“ نماز بنا کر انگریز کی مخالفت پر اتر آئے اور ہندوستانیوں کے سینے انگریز کی گولیوں سے پھلنی ہوئے لگے۔ تو ان واقعات سے قبائلی بے خبر نہ رہ سکتے تھے۔ اس کے متصل ہی

جب انگریز نے اپنے مواعید سے آنکھیں بند کرتے ہوئے "خلافت عثمانیہ" کے دہے آزار ہوا حکومت ترکیہ کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دینے کے منصوبے بنے تو ہندوستانی مسلمانوں نے اس ملک کو خیر باد کہہ دینے کا فیصلہ کیا۔ ہزاروں کی تعداد میں مسلمان افغانستان کی طرف ہجرت کرتے دکھائی دیے۔ مسلمانوں میں "خلافت" کے نام سے ایک ہمہ گیر تحریک شروع ہوئی اور چونکہ اس تحریک پر مذہبی رنگ غالب تھا اس وجہ سے وہ جنگ کی آگ کی طرح ملک کے طول و عرض میں پھیل گئی اور پھر قبائلی علاقہ میں بھی اس کے اثرات نظر آنے لگے اور بچے بچے کی زبان پر خلافت اور اس کے مشہور ترین کردار مولانا محمد علی و مولانا شوکت علی کے نام رقص کرنے لگے۔ تحریک خلافت نے بین المللی حیثیت حاصل کرتے ہوئے پورے قبائلی علاقہ کو اپنے زیر اثر لے لیا تھا۔

قبائلی علاقہ سے اس تحریک کی حمایت میں آوازیں سنی جانے لگیں اور گو قبائلی علاقہ کا پیدائشی سیاستدان چھان کھلم کھلان تحریکات میں شمولیت نہ کر سکتا تھا تاہم اس کی اخلاقی اور سیاسی امداد و اعانت تحریک کو حاصل رہی۔ انگریز کے لئے یہ نیا درد نہ تھا۔ اس نے ہندوستانی قائدین پر نئے نئے رنگ و روپ میں پابندیاں عائد کیں تاکہ وہ ان قبائل سے راہ درسم قائم نہ رکھ سکیں۔ اور اسے ہر وقت یہی خطرہ دامنگر رہا۔ جہاں ایک طرف ملک میں بد امنی کا دور چل رہا تھا وہاں دوسری طرف اگر قبائلی بھی اٹھ کھڑے ہوتے تو حالات کا بد سے بدترین شکل اختیار کر لیتا ناگزیر ہو جاتا۔

اسی دوران میں تقسیم موجب کے سلسلہ میں قبائلیوں میں باہمی اختلاف پیدا ہوئے تو انگریز نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیا۔

اس کا خیال تھا کہ یہ قبائل آپس میں کٹ مریں گے تو انگریز کی توجہ صرف ہندوستانی

تحریکات کو کچلنے کے لئے وقف رہ جائے گی۔ لیکن اس کا اندازہ غلط نکلا۔ قبائل کے غیر مطمئن افراد نے آپس میں گتھم گتھا ہونے کی بجائے انگریز کو پریشان کرنا شروع کر دیا۔ اور اس وقت کہ پورے قبائلی علاقہ میں انگریز کے خلاف عدم اطمینان کی ہوا چل رہی تھی وہ کوہاٹ کے افریدی بھی اثر لئے بغیر رہ نہ سکے۔ چنانچہ انگریز سے کشمکش شروع ہوئی۔ ڈاکہ زنی ہونے لگی۔ انگریز کو پریشان کیا جانے لگا تو نومبر ۱۹۲۱ء میں دو انگریز خاص کوہاٹ چھاؤنی میں قتل کر دیئے گئے۔ حالات کے پیش نظر انگریز نے فوجی اقدام تو نہ کیا لیکن قبائلیوں کو مورد الزام ٹھہرا کر ان سے نامہ و پیام کرتا رہا۔ ابھی اس سلسلہ میں کوئی آخری فیصلہ نہ ہو سکا تھا کہ ۱۹۲۱ء میں کوہاٹ پر ایک اور ڈاکہ پڑا۔ اب انگریز کا پیمانہ صبر لبریز ہونے لگا۔ جرگہ طلب ہوا تو ارکان جرگہ نے قومی حیثیت سے ذمہ داری لینے سے انکار کرتے ہوئے اسے چند افراد کا ذاتی فعل بتایا۔ کوئی نتیجہ برآمد نہ ہو سکا۔ انگریز بظاہر خاموش ہو کر موقع کی تلاش میں رہا اور کشمکش جاری رہی۔

عجب خان اور مس ایلس

یہ کشمکش جاری تھی کہ ۲۲ فروری ۱۹۲۳ء کو ایک رات کہ خوب آندھی چل رہی تھی کوہاٹ چھاؤنی پر ڈاکہ پڑا جس میں حکومت کی ۳۰۳، قسم کی ۶۴ بندوقیں چلی گئیں۔ قبائلیوں کی ایسی دراز دستیوں کو دیکھتے ہوئے انگریز زیادہ دیر تک خاموش نہ رہ سکتا تھا۔ اس نے اپنے وقار کو خطرہ میں دیکھتے ہوئے جرگہ

طلب کیا اور یہ کوشش ہونے لگی کہ مجرمین کا پتہ لگایا جائے۔ قبائلی عام طور جرگوں میں ایسے مسائل کے زیر بحث آنے پر اخفائے راز سے کام نہیں لیتے۔ بلکہ ہر قبیلہ اپنے افراد کی حرکات کا اعتراف کر لیتا ہے۔ لیکن اس موقع پر کوئی قبیلہ بھی ان ہنگامہ آرائیوں کی ذمہ داری لینے کو تیار نہ ہوا اور ہر قبیلہ نے پیدا شدہ واقعات کو افراد کا ذاتی فعل قرار دیا۔ ان دنوں قبیلہ بوستی خیل کے عجب خان اور اس کے بھائی شہزادہ خان کے تذکرے سنائی دے رہے تھے۔ انگریز بھی انہیں ہی مورد الزام ٹھہراتے ہوئے سب کچھ انہی کے کھاتہ میں لکھنا شروع کر دیا اور کوشش کی جانے لگی کہ ہر ممکن طریقہ سے انہیں گرفتار کر لیا جائے۔

جب مقبوضہ علاقہ میں انہیں گرفتار نہ کیا جاسکا تو انگریز قبائلی علاقہ میں انہیں گرفتار کر لینے کی فکر کرنے لگا۔ رسم ملک کے مطابق ضروری تھا کہ انگریز اس سلسلہ میں اول جرگہ سے گفتگو کرتا اور اگر جرگہ جرائم کو تسلیم کر لیتا تو پھر یا تو جرگہ سے کہا جاتا کہ وہ ملزمین کو مناسب سزا دے یا پھر جرگہ کے تعاون سے کوئی کارروائی کی جاتی لیکن انگریز نے اس طریقہ کار پر عمل کرنا ضروری خیال نہ کیا۔ نشہ اقتدار میں جرگہ سے گفتگو یا اعلان جنگ یا اظہار مخالفت کے بغیر فوج کے ایک دستہ نے اچانک قبائلی علاقہ میں داخل ہو کر عجب خان کے مکان کو ایسے وقت محاصرہ میں لے لیا جبکہ اتفاق سے وہاں کوئی مرد موجود نہ تھا اور ایسے اچانک حملہ کی صورت میں مستورات مقابلہ کرنے کے قابل نہ تھیں۔ گھر کی تلاشی لینے کے بعد عجب خان اور شہزادہ خان اس کے ہاتھ نہ لگے تو شکر ناکام واپس لوٹ گیا۔

۱۔ انگریز نے غالباً ۱۸۹۲ء کے اس سائدہ کی آڑی جس میں مرقوم تھا کہ بوقت ضرورت وہ قبائلی علاقہ میں تلاشی لے سکتا تھا۔

عجب خان جب سب معمول واپس گھر پہنچا اور اسے انگریز کے حملے اور گھر کی تلاشی کا علم ہوا تو اس نے انگریز کی اس حرکت کو اپنی عزت اور قومی وقار پر حملہ تصور کیا۔ اور عجب خان پر ہی کیا منحصر ہے کوئی خود دار انسان بھی ایسی حرکت کو برداشت نہ کر سکتا تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک تو اپنی مستورات کے سامنے بت بنا کھڑا رہا اور بالآخر یہ کہہ کر وہاں سے چل دیا کہ ”بدلہ لئے بغیر واپس نہ آؤں گا۔“

عجب خان یوں مسرت کی حالت میں رخصت ہو کر رات ایک دوپہ کے مکان پر جا بھاڑا اور یہیں اس نے بدلہ لینے کا پروگرام مرتب کیا صبح ہوئی تو اس نے اپنے بھائی اور دو تین قابل اعتماد رفقاء کو ساتھ لئے کوہاٹ کی راہ لی۔ حالات گرد و پیش پر نظر ڈالی اور بالآخر میجر ایلیس نامی ایک انگریز افسر کو زندہ اٹھالے جانے کی تیاری کرنے لگا۔ بالآخر جب وقت معین پر یہ لوگ بنگلہ میں داخل ہوئے تو اتفاق سے اس رات یہ میجر ایلیس بنگلہ پر موجود نہ تھا۔ اس کی اہلیہ مسٹر ایلیس چار پائی پر خواب غفلت میں دنیا جہان سے بے خبر پڑی سو رہی تھی۔ شہزادہ نے بنگلہ کے روشندان سے داخل ہو کر اندر سے چٹخنی کھولی تاکہ عجب خان اندر داخل ہو سکے تو چٹخنی کی آواز سے چونک کر با از خود لیڈی ایلیس نے کروت لی۔ شہزادہ کو شک ہوا کہ میجر ایلیس بیدار ہو چکا تھا۔ اس نے بھائی کی طرف دیکھا۔ عجب خان نے یہ نہ جانتے ہوئے کہ

مرا کہا جاتا ہے کہ عجب خان کو اپنی کامیابی کی اسلیم بنانے میں کئی دن صرف ہوئے کئی دن تک تو وہ بنگلہ کے گرد و نواح کا جائزہ لیتا رہا پھر سب سے بڑی شکل یہ تھی کہ میجر ایلیس کے ہاں ایک کتا تھا جو رات کو کھٹا چھوڑ دیا جاتا تھا۔ عجب خان نے کئی دن اس کتے کو گوشت وغیرہ کھانا شروع کیا تاکہ وہ اس سے مالوس ہو جائے اور آخری رات اس پر یہ آسانی قابو پالیا گیا۔

بستر پر میجر کی بجائے اس کی اہلیہ دراز تھی۔ اپنے گلے پر ہاتھ پھیرا۔ اشارہ پاتے ہی شہزادہ نے ہاتھ مارا تو چار پائی پر سونے والے کاسرتن سے جدا ہو چکا تھا۔ اور پھر یہ خیال کرتے ہوئے کہ دوسری چار پائی پر لیڈی الیس سو رہی تھی۔ اس کا منہ بند کرتے ہوئے اسے بھاگے۔ حالانکہ وہ میجر الیس کی بیوی نہ تھی بلکہ لڑکی تھی۔

اس واقعہ کے بعد حکومت کی پوری مشینری محو حرکت دکھائی دینے لگی ایک لڑکی کے یوں قبائلیوں کے ہاتھ آ جانے سے گویا پوری انگریز قوم کے لئے قید و بند میں پڑ جانے کا خطرہ درپیش تھا۔ بہتے اور بے بس قبائلیوں پر آئے دن آگ برسانے والا انگریز جو کبھی اس مظلوم آبادی کے مصائب کو نظر میں نہ لاسکا تھا اپنی ایک لڑکی کے گرفتار ہو جانے پر تلملا اٹھا۔ اس پر دن کا چین اور رات کی غینہ حرام ہوئی۔ اسے اپنا وقار اور اپنی حکومت دونوں گرواب مصائب میں پھنسنے دکھائی دینے لگے۔ قبائلی جرگے طلب ہوئے۔ سلسلہ نامہ و پیام شروع ہوا۔ سیم زر کی بارش ہونے لگی۔ پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ ڈالا گیا۔ قتل و خونریزی شروع کر دینے کی دھمکیاں دی جانے لگیں پھر خیبر ایجنسی سے ایک جرگہ نے عجب خان کو مشورہ دیا کہ وہ لڑکی کو واپس کر دے جس پر اس نے بتایا کہ لڑکی کو قید رکھنا اس کا مقصود نہ تھا۔ بلکہ وہ تو صرف ظاہر

عجب خان ادر شہزادہ باری باری سس الیس کو اٹھائے انگریزی علاقہ سے نکل جانے کی فکر میں۔ ددڑے جارہے تھے کچھ فاصلہ پر پہنچ کر اس نوجوان لڑکی کو گدھے پر سوار کر دیا گیا اور اس طرح وہ اسے تیرا لے پہنچا۔ وہاں سے ہر ممکن آرام پہنچایا گیا۔ اسے عمدہ قسم کھانا دیا جانا رہا عزت و احترام سے اپنے پاس مقیم رکھا اور اسے یہ اجازت بھی دیدی کہ اپنے متعلقین کو افریدی نامہ بردوں کے ذریعہ خیر خبریں لکھتی رہے۔ عجب خان بہت ہی نادوم تھا کہ اس کے ہاتھ سے ناواقفیت میں ایک عورت قتل ہو چکی تھی۔

کرنا چاہتا تھا کہ اگر انگریز مردوں کی عدم موجودگی میں اس کے گھر کی تلاشی لے سکتا تھا تو عجب خان بھی اس سے سخت اقدام سے گھبرانے والا نہ تھا۔ بالآخر مقبوضہ علاقہ سے ایک وفد بھیجا گیا تاکہ لڑکی سے ملاقات کرے۔ اس وفد میں خان بہادر (حاجی) محمد قلی خان، سالدار مغل باز خان اور لیڈی ڈاکٹر سنسر سٹار قابل ذکر ہیں۔ اس وفد نے لڑکی سے ملاقات کی۔ قبائلیوں سے گفتگو ہوئی۔ بالآخر عجب خان نے بلا کسی معاوضہ کے لڑکی کو عزت و احترام سے واپس کر دیا جس سے عجب خان اور اس کے ساتھیوں کے بلند اخلاق کا پتہ چلتا ہے۔

مس الیس کے اٹھالیس سال کے واقعہ نے بڑی اہمیت حاصل کی اور عجب خان ہوا بن گیا۔ ہر جگہ اس کے چرچے ہونے لگے اور ہر مجلس میں اس کا ذکر کھائی دے رہا تھا۔ انگریز کے خوف و ہراس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ پشاور میں چیف کمشنر راب کشر کے بنگلہ کے ارد گرد کئی بڑے بڑے خوبصورت درخت اس ڈر سے کاٹ دیئے گئے تھے کہ مبادا عجب خان یا اس کے ساتھی ان میں چھپ کر کسی اور جرم کا ارتکاب کر بیٹھیں۔ بلاشبہ انگریز چاہتا تو فوری طور فوجی اقدام کر سکتا تھا۔ قبائلیوں پر آگ برسانا اس کے لئے کوئی مشکل بات نہ تھی۔ اس کی گولیوں سے ہمیشہ قبائلیوں کے سینے پھلنی ہوتے رہے اور کبھی انسانیت اور ہمدردی اس کے دل و دماغ پر اثر انداز نہ ہو سکی۔ لیکن اس موقع پر وہ خاموش رہا تو خاموشی بلا وجہ نہ تھی۔ اسے اپنی ایک لڑکی کی جان خطرہ میں نظر آرہی تھی اسے ڈر تھا کہ جنگ شروع کر دینے کی صورت میں کہیں قبائلی

اس لڑکی کو قتل نہ کر دیں۔ اس وجہ سے اس نے جنگ سے گریز کی۔ سیم دزر اور سیاسی اثر و رسوخ سے کام لینا چاہا۔ چنانچہ جب اس مقصد میں کامیابی ہوئی۔ مسالیں زندہ واپس لوٹ آئی تو انگریز نے تیور بدلنے شروع کئے۔ اب اسے بدلہ لینے کی فکر ہوئی تو اقدامات شروع کر دیئے گئے۔

ابتدایوں ہوئی کہ ۲۲ مئی کو بمقام شینہ ڈری (کوہاٹ) قومی جرگہ طلب کرتے ہوئے انگریز نے عجب خان کی حوالگی کا مطالبہ کیا اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ ایسی حرکت خلاف رسم ملک تھی اور افریدی کبھی اس پر تیار نہ ہو سکتے تھے اپنے اس مطالبہ میں شدت پیدا کی اور اعلان جنگ تک کی دھمکی دے دی لیکن جرگہ نے یک زبان ہو کر اس غیر معقول مطالبہ کو مسترد کر دیا۔ ادھر عجب خان بھی حالات کا جائزہ لیتا رہا اور دیکھتے ہوئے کہ اب قبائلی علاقہ میں اس کی موجودگی خود اس کی اپنی زندگی اور اس کے قبیلہ کے لئے خطرہ سے خالی نہ تھی اور ہو سکتا تھا کہ انگریز کی چال بازیوں سے قبیلہ میں اختلافات پیدا ہو جائیں۔ اس نے از خود وطن سے نکل جانے کا فیصلہ کیا اس طرح انگریز کا یہ پہلا وار خالی گیا اور جنگ و خونریزی کا بہانہ اسے مل نہ سکا۔ انگریز عجب خان کے ساتھ اس کے بھائی شہزادہ۔ اور رفقا میں سلطان میر گل اکبر اور حیدر شاہ کو شریک جرم سمجھتا تھا۔

معاندہ ۱۹۲۳ء

انگریز کو جب اپنی اس چال میں کامیابی نہ ہوئی تو اس نے پتہ بدلتے ہوئے یہ مطالبہ پیش کر دیا کہ عجب خان کو دوبارہ واپس آکر اپنے وطن میں آباد ہونے نہ دیا

جائے۔ اور قبائلی یہ اقرار کریں کہ وہ واپس نہ لوٹے گا اس کے ساتھ ہی مطالبہ تھا کہ انگریز درہ کو ہاٹ میں تین چوکیاں تعمیر کرے گا۔ ان میں پچیس پچیس جوان جو خود ان قبائلیوں سے ہی بھرتی ہوں گے مقیم رکھے جائیں گے۔ ان کی تنخواہ خزانہ انگریز سے ادا کی جاتی رہے گی۔ افریدی جاتے تھے کہ انگریز حیلے بہانے تلاش کر رہا تھا۔ وہ مقابلہ کرنے کی طاقت نہ رکھتے تھے اور دیکھ رہے تھے کہ جنگ کی صورت میں کئی قبائل اس کی زد میں آجائیں گے۔ بلاوجہ قبائلی علاقہ پر مصائب و آلام کے بادل برسنا شروع ہوں گے۔ اس وجہ سے انہوں نے شرائط صلح تسلیم کرتے ہوئے ۲۱ مئی ۱۹۲۳ء کو معائدہ پر دستخط کر دیے اس معائدہ میں یہ شرائط درج کر دی گئی تھیں کہ درہ کو ہاٹ میں صرف ان مفروروں کے رہنے کی اجازت ہوگی جن کی ملک ضمانت دے سکیں اور دوسرے مفروروں کو مقیم رہنے نہ دیا جائے گا۔ انگریز کو درہ میں سلسلہ تلغراف اور ٹیلیفون جاری کرنے کا حق بھی حاصل ہو گیا اور سٹاک کوکشاہ کرنے پر بھی کوئی اعتراض نہ ہو گا۔ اس معائدہ پر گلانے جو اکی حسن خیل اور آشوخیل قبیلہ کے ملکوں نے دستخط کر دیئے۔ حالات نے افریدیوں کو مجبور کر دیا اور نہ اس سے چار سال قبل سلسلہ تلغراف کے لئے انگریز کی پیش کردہ پچاس ہزار روپے کی رقم کو وہ ٹھکرا چکے تھے۔

انگریز کا جوش انتقام ٹھنڈا نہ ہوا تو معائدہ کے ٹھوڑے ہی عرصہ بعد اس نے یہ رٹ لگانا شروع کی کہ عجب خان واپس قبائلی علاقہ میں گھومتے دیکھا گیا تھا اس طرح گویا ایک نیا حیلہ تراشا گیا۔ افریدیوں نے ہر چند اس کی عدم موجودگی کا یقین دلانا چاہا لیکن انگریز کی تسلی نہ کرائی جاسکی۔ بالآخر دوسرے قبائل نے بیچ بچاؤ

کیا۔ خیبر بھنسی کے افریدی آڑے آئے تو قبیلہ ملک دین خیل اور قمبر خیل نے ۱۴ اپریل ۱۹۲۳ء کو اور قبیلہ جواکی اور کالا خیل نے ۱۵ اپریل کو اس کی عدم موجودگی کا یقین دلا کر معاملہ کو ختم کیا۔

عجب خان قبائلی علاقے کل کر افغانستان جا پہنچا۔ اس کی شہرت اس سے قبل اس علاقہ میں پہنچ چکی تھی۔ اسے افغانستان میں عزت و احترام سے دیکھا گیا۔ انگریز خاموش نہ رہ سکتا تھا اس نے افغانستان سے اس کی واپسی کا مطالبہ کیا لیکن حکومت افغانستان اسے تسلیم نہ کر سکی۔ حالات بگڑنے لگے بالآخر سیاسی دباؤ کے زیر اثر حکومت افغانستان اس پر رضامند ہو گئی کہ وہ عجب خان اور اس کے بھائی شہزادہ ادران کے ساتھیوں کو سرحد ہندوستان سے دور رکھے۔ چنانچہ حکومت نے افغانی ترکستان میں املاک دے کر انہیں وہیں مقیم کر دیا۔





★ جنرل محمد ایوب خان صدر پاکستان ★



قبائلیوں کی خانہ جنگی

اور انگریز

معائدہ ۱۹۲۳ء کے بعد کوئی دو سال تک مذکورہ چوکیاں قائم نہ کی جاسکیں اس دوران میں قبائلی خود آپس میں برسرِ پیکار تھے اور اس باہمی کشمکش نے اس قدر طول کھینچا کہ درہ کوہاٹ کی سڑک بھی خطرہ میں دکھائی دینے لگی۔ بالآخر ۱۹۲۵ء میں حالات کے سدھ جمانے پر انگریز نے ان چوکیوں کے تعمیر کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو قبیلہ حسن خیل اور آشوخیل نے خلاف توقع مخالفت شروع کر دی۔ انگریز نے ناکہ بندی کا اعلان کیا۔ ان قبائل کے افراد کی مقبوضہ علاقہ میں آمد رفت بند ہوئی۔ معاملہ قومی جبرگہ کے سامنے زیر بحث آیا۔ تو فیصلہ ہوا کہ معائدہ پر چونکہ قبائل کے سردار باہمی مشورہ کے بعد دستخط کر چکے تھے۔ اس وجہ سے اب ان قبائل کی طرف سے مخالفت اپنے اقرار سے منحرف ہو جانے کے مترادف سمجھی جائے گی۔ اس طرح قبائلیوں کی ایک دیرینہ روایت کو تھیس لگتی تھی اور فیصلہ ہوا کہ قبیلہ حسن خیل اور آشوخیل

کہ فحشافت کا حق نہیں پہنچتا۔ اس کے بعد ان دونوں قبیلوں نے فحشافت ترک کر دی
لیکن انفرادی حیثیت میں بعض افراد برسرِ پیکار رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دو چوکیاں تو
تعمیر کر لی گئیں لیکن تیسری ماما میرہ کے مقام پر تعمیر نہ کی جاسکی۔

اب انگریز معمولی حرکات کو بھی زیرِ بحث لا کر قبائلیوں کو مرعوب کرنے لگا
قبائلی پہلے ہی آپس میں مصروفِ جنگ تھے۔ ۱۹۲۴ء اور ۱۹۲۶ء کے دوران
میں اسی خانہ جنگی کی وجہ سے کئی دفعہ درہ کوہاٹ میں آمد و رفت رکھنے والے خطر
کا شکار نظر آنے لگے۔ انگریز کے لئے من مانی شرائط تسلیم کرا لینے کا اچھا موقع تھا۔
اس نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ درہ کوہاٹ کے تحفظ کے نام سے جرگہ طلب کیا۔ جون
۱۹۲۶ء میں ایک جدید معاہدہ مرتب ہوا۔ اور قبائلیوں سے اقرار لے لیا گیا کہ آئندہ
درہ کوہاٹ کی سڑک پر ارتکابِ جرم کرنے والوں کو انگریز کے حوالہ کر دیا جائے گا۔
اور اس میں ناکام رہنے کی صورت میں قبائلی سڑک پر ہر قتل کے جرم میں پانچ ہزار
اور زخم لگانے کے جرم میں دھائی ہزار روپے حکومت کو بطور جرمانہ ادا کریں گے۔



بھوں کی تجارت

درہ کوہاٹ میں اسلحہ سازی کا کام ایک عرصہ دراز سے بڑی کامیابی کیساتھ چل رہا ہے عام طور پر چھوٹی قسم کی بندوقیں تیار کی جاتی ہیں دوسرے علاقوں سے بھی اسلحہ و بارود درآمد کیا جاتا ہے اس طرح درہ کوہاٹ کو اسلحہ و بارود کے کارخانے اور منڈی کی حیثیت حاصل ہو چکی ہے قبائلی علاقہ میں چونکہ ایکٹ اسلحہ قسم کا کوئی قانون موجود نہیں اسوجہ سے باشندے اپنی خواہش کے اپنی پسندیدہ تعداد میں یہاں سے اسلحہ و بارود لیکر جس طرف چاہیں جاسکتے ہیں جبکہ اس کے متصل مقبوضہ علاقہ میں اسلحہ رکھنے پر پابندی قائم نہیں اور بلا لائسنس اسلحہ رکھنا جرم ہے لیکن ان پابندیوں کو باوجود درہ سے غیر قانونی طریقہ پر مقبوضہ علاقہ میں اسلحہ درآمد کیا جاتا رہا اور جب تحریک مخالفت دولت ایکٹ ۱۹۱۹ء یا تحریک ہجرت خلافت ۱۹۲۰ء نے سرزمین ہند پر زور پکڑا اور باشندگان وطن آزادی وطن کا مطالبہ کرنے لگے تو بعض من چلے ایسے بھی پیدا ہوئے جو ان تحریکات کو اصول عدم تشدد پر یقین رکھتے تھے انکا مسلحہ نظریہ ممکن طریقہ سمجھا اور گوانکی تعداد بہت ہی محدود تھی تاہم انکے وجود اور انکی سرگرمیوں سے انگریز پریشان ہوا یہ لوگ اسلحہ کی تلاش میں رہے اور حتی المقدور اسلحہ و بارود مہیا کرنے کی سعی کرتے رہے اس سلسلہ میں کہا جاتا ہے کہ درہ کوہاٹ سے ان لوگوں نے دستی بم حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کی دستی بم علاقہ آزاد سے نکل کر ان لوگوں تک پہنچ گئے انگریز کیلئے یہ نیا درد سر پیدا ہوا اس تجارت کو روکنے کی کوششیں ہوئیں۔ بالآخر افریدیوں کا جرگہ طلب کیا گیا لیکن جرگہ پر نرمی و گرمی سے اثر ڈالا جلاؤ لگا سیم و زر کی چھکار بھی سنائی دی بالآخر افریدیوں کو رضامند کر لیا گیا کہ وہ بھوں کی تجارت سودست کش ہو جائے چنانچہ جون ۱۹۲۲ء میں معاملہ ہوا تو انگریز ڈپٹی کمشنر کا سائنس لیا اور یہ تجارت بند نظر آنے لگی۔

شیعہ سنی مناقشات

قریب قریب تمام قبائلی علاقہ عقائد کے لحاظ سے سنی (خفی) کہلاتے ہیں اس میں جگہ جگہ دوسرے عقائد کے افراد بھی ملتے ہیں لیکن ان کی تعداد بہت ہی کم اور ناقابلِ ذکر ہے۔ صرف ایک علاقہ، کرم اچھسی ایسا ہے کہ جہاں شیعہ عقائد رکھنے والے بحیثیت قبیلہ یا جماعت آباد ہیں تعلیم کی کمی اور انگریزی سیاست کے ہتھکنڈوں کی وجہ سے اس اچھسی میں شیعہ سنی ہمیشہ ایک دوسرے کے مخالف صف آرا نظر آئے۔ جماعتی یا قبائلی حیثیت میں دونوں برسرِ پیکار بھی دکھائی دیے۔ دونوں اختلافات کو نہ خود مٹا سکے نہ حکومت کی طرف سے کوئی کوشش ہوئی۔ اس سلسلہ میں ایک دفعہ ۱۹۲۷ء کے ادھر یا ۱۹۲۸ء کے ادھر میں شیعہ سنی ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہوئے تو انگریزوں نے ان کو کھلے بندوں چھوڑ دیا اور کوشش ہوئی کہ فریقین کسی دوسرے قبیلہ کی امداد و اعانت حاصل نہ کر سکیں۔ حالانکہ اگر انگریز چاہتا تو مداخلت کر سکتا تھا اور جنگ روکی جاسکتی تھی۔

اس باہمی جنگ کی خپکاریوں نے قبیلہ حق خیل اور آشوخیل پر بھی جا اثر کیا ان قبائل کے افراد بھی شریکِ کارزار ہونے چلے۔ انگریزوں نے انہیں روکنے کی کوشش کی لیکن قبائلی سر تسلیم خم نہ کر سکے تو اختلافات نے سراٹھایا۔ حالات بگڑنے لگے۔ نوبت

بہ اس جار سید کا افریدیوں نے ۱۹۲۳ء کے معاملہ کو پس پشت ڈالتے ہوئے درہ
 کی چوکیوں کے لئے حفاظتی دستے مہیا کرنے سے انکار کر دیا تو درہ کو ہاٹ کا راستہ پھر خطرہ
 میں نظر آنے لگا۔ انگریز نے مواجب کی رقومات ادا کرنے سے انکار کیا۔ کشمکش شروع
 ہوئی۔ سلسلہ نامہ و پیام جاری رہا۔ قبائلی بالآخر نومبر ۱۹۲۹ء میں سمجھوتہ کر لینے پر آمادہ
 ہوئے۔ انگریز نے حسب معمول مواجب کی ادائیگی شروع کر دی۔ لیکن ساتھ ہی موقع
 سے فائدہ اٹھا کر درہ میں چوکیاں تعمیر کر لیں۔ ان میں وہ چوکی جو قبیلہ آشوخیل کے علاقہ
 میں تھی خود اس قبیلہ کی نگرانی میں بنی البتہ کاہی اور جانا خواڑ کی چوکیاں جن خیلوں
 کے انکار پر بیرونی اشخاص سے تعمیر کرائی گئی تھیں۔

جبر و استبداد کی انتہا

یوں تو انگریز نے صوبہ سرحد کی سر زمین پر قدم رکھنے کے ساتھ ہی طاقت و قوت کے استعمال کو ضروری خیال کیا تھا اس علاقہ کو کچلنے اور اس علاقہ کے باشندوں کو دائمی طور پر طوق غلامی پہنانے کے لئے ہر ممکن تشدد کا استعمال ہوا۔ مخصوص حالات کی آڑ لے کر قوانین جرائم سرحد اور غازی ایکٹ جیسے ظالمانہ حربے استعمال ہونے لگے فرزندِ وطن کو چٹ منگنی اور پیٹ بیاہ کے مصداق گرفتار ہونے کے بعد کسی وکیل و دلیں یا موقع صفائی دیتے بغیر گھنٹوں کے اندر تختہ دار پر لٹکایا جاتا رہا۔ کسی محبِ شریٹ کے اشارہ ابر و پران کے فصل اور ان کے مکان برباد کئے جاسکتے تھے۔ یہ سب کچھ برداشت کرتے ہوئے بھی پٹھان طوق غلامی کو زیب گلو کرنے پر آمادہ نہ کیا جاسکا۔ حتیٰ کہ ۱۹۳۰ء میں انگریز کا جبر و تشدد اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔

بچتے پر امن عدم تشدد پر عمل پیرا قومی کارکنوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا۔ اپریل ۱۹۳۰ء میں لٹا و شہر کے بازار قصہ خوانی میں بوڑھے جوان اور بچوں کی لاشیں تڑپتی نظر آنے لگیں۔ اس کے بعد ظلم و استبداد کی اس آندھی نے پورے صوبہ سرحد کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ کہیں فصل برباد ہوئے تو کہیں مکانوں کو نذرِ آتش کیا گیا۔ ان حالات سے متاثر ہو کر انگریز کو پریشان کرنے کے لئے خیبر پختونخوا

سے افریدیوں کے چند دستے روانہ ہوئے۔ ان میں بعض کا راستہ کینڈا اور کالائیل سے ہو کر گزرتا تھا۔ درہ کوہاٹ کے افریدیوں میں حسن خیل اور آشوخیل نے ملا نعت گل کی مساعی سے کالائیل اور جواکیوں کو اس پر آمادہ کر لیا کہ وہ ان دستوں کی نقل و حرکت کے سلسلہ میں انگریز تک کوئی اطلاع پہنچنے نہ دیں۔ چنانچہ ان دستوں کی سرگرمیوں سے جب حالات بگڑنے لگے تو انگریز کو تشویش پیدا ہوئی۔ اسے درہ کوہاٹ کے بند ہو جانے کا خطرہ دکھائی دینے لگا۔ تو درہ کوہاٹ کے باشندوں سے کشمکش شروع کر دی گئی اور درہ میں فوج متعین کرنے کے لئے حیلے بہانے تراشے جانے لگے۔ ۲۲ جون ۱۹۳۱ء کو موضع اکبر پور ضلع پشاور اور ۲۲ جولائی ۱۹۳۱ء کو موضع ضرابی (ضلع پشاور) پر جوڑ کے پڑے تو ان کی ذمہ داری بھی ان قبائل کے سر مقبوظ دی گئی اور ساتھ ہی الزام لگا کہ افریدیوں کے جو دستے پشاور تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے تھے ان کی امداد و اعانت بھی انہی قبائل نے کی تھی اور ظاہر کیا کہ آئندہ ایسی حرکت ہوئی تو انگریز کا لشکر پیش قدمی پر مجبور ہو جائے گا۔

۱۔ تفصیل کے لئے دیکھو تاریخ آزاد چٹان جلد اول۔

۲۔ صوبہ سرحد کی سرزمین پر انگریز نے ۱۹۳۱ء میں جس جبرداستبداد کا مظاہرہ کیا تھا اس کی مختصر سی داستان مولف کتاب ہذا لکھنؤ یونیورسٹی اور میاں جعفر شاہ سابق وزیر حکومت پاکستان کی مساعی سے (FRONTIER TRAGEDY) سانحہ سرحد کے نام سے ہندوستان اور انگلستان میں بہ کی وقت شائع ہوئی تھی۔ جو بعد میں بہ حق سرکار ضبط کر لی گئی۔ اس میں اکبر پور کے ڈاکر کو انگریز کا خود مرتب کردہ کارنامہ ظاہر کیا گیا تھا۔ بعد میں جب تحریر کنندہ (یوسفی) کو کتاب (بقیہ نوٹ منہ پر)

مختصر یہ کہ ۱۹۳۳ء کی ہنگامہ آرائی کے بعد انگریز کو اپنی حکومت کی بقا خطرہ میں نظر آنے لگی تو اس کے استحکام کے سلسلہ میں ہی رافیل ٹریبل کانفرنس کا اجلاس طلب کیا گیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کا نفاذ عمل میں آیا اور وہ اپنی ان اندرونی مصروفیات سے اتنی ذرا متنبہ نہ پاسکا کہ قبائلی علاقہ کی طرف متوجہ ہوتا۔ اس وجہ سے قبائلی علاقہ اور خصوصاً درہ کوہاٹ اس کی دست برد سے محفوظ رہا۔ کوئی جدید اقدام نہ ہوا۔ انگریز ملی و ملکی تحریکات سے عہدہ برآہو رہا تھا تو قبائلی مسلم لیگ کی تقویت کا باعث بن رہے تھے تا آنکہ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔ اس طرح انگریز کا سیاسی دور غلامی ختم ہوا تو قبائلیوں نے امن و چین کا سانس لینا شروع کیا اور ان کی آنکھوں اپنے ملک پر انگریزی جھنڈے کے بجائے پاکستان کے ہلالی پرچم کو دیکھ کر مسرت و شادمانی سے چمکنے لگیں۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۴۹) کی شاعت کے سلسلہ میں عدالت سشن کے سپرد کیا گیا تو اس نے اپنے تحریری بیان میں اس کی یوں وضاحت کی تھی۔

- (۱) ڈاکہ روز روشن میں ڈالا گیا پھر ان ایام میں جبکہ قومی تحریک اپنے عروج پر تھی۔
- (۲) ڈاکو اس قسم کا لباس پہنے تھے جو عام طور پر پیشیا فوج کے سپاہی پہنتے تھے۔
- (۳) پولیس تھانہ کو بروقت بذریعہ ٹیلیفون اطلاع دی گئی لیکن وہاں سے کوئی جواب نہ ملا۔
- (۴) پولیس تھانہ بہت فاصلہ پر نہ تھا۔
- (۵) ڈاکوؤں نے صرف ہندوؤں کو لوٹا اور لوٹ کے مال کا کچھ حصہ وہیں مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔
- (۶) ڈی پی پیٹرینڈنٹ پولیس اور تھانہ دار ایسے اہم معاملہ کے سلسلہ میں یوم وقوع کے دوسرے دن موقع واردات پر پہنچے تھے۔ (سشن کورٹ میں بیان)

پاکستان کا پس منظر



پاکستان کا پس منظر

مخصوص حالات کا ڈھونگ | سرزمین صوبہ سرحد پر لفظا ہر تو تعزیرات ہند

اور ہندوستان میں جاری شدہ دوسرے

قوانین کے تحت حکومت کی جا رہی تھی۔ لیکن ان کے ساتھ مخصوص حالات کی آرٹ

لیکر قوانین جبرائٹ سرحد کے نام سے خاص قوانین کا نفاذ ہوا۔ انگریز کی گرفت

مضبوط کرنے کیلئے ہر ممکن کوشش کی جاتی رہی۔ دیگر صوبہ جات ہند سے اس

علاقہ کی حیثیت بالکل جداگانہ نظر آنے لگی اور جہاں دوسرے علاقوں میں مذکور

حکومت کو طرف اقدام کیا جا رہا تھا۔ ان میں انتخابات بلدیہ، ڈسٹرکٹ بورڈ،

محاسن قانون ساز وغیرہ کا قیام عمل میں آچکا تھا وہاں صوبہ سرحد کا علاقہ ان

قطعاً محروم رہا۔ اور یہ سب کچھ اس لئے ہوتا رہا کہ باشندگان صوبہ سرحد کو انگریز

لے صوبہ سرحد میں پہلی بار ۱۹۲۹ء میں صرف بلدیہ پشاور میں طریقہ انتخاب ایچ ہوا اور ۱۹۳۱ء میں

اس صوبہ کو منسٹریل کمیٹی کی کونسل عطا کی گئی جبکہ ہندوستان اس کے بعد کی چیمبرز ڈائیکٹم کو بھی

آزمائے کے بعد تیز کر دیا تھا۔

دنیا کی نظر میں محتوب کرتے ہوئے قبائلی علاقہ پر اپنا اثر و رسوخ قائم کر سکے اور پھر اس طرح حکومت برطانیہ کو وسعت دینے کے لئے دوسرے اغراض پورے کئے جاتے رہے ہیں۔

صوبہ سرحد کی سر زمین پر قدم رکھنے والے ہر انگریز نے جانباز ADVENTURER بننے کی کوشش کی۔ ہر ایک نے شہرت کے مندر میں اپنا بت نصب کرنا چاہا پٹیکل مسائل کے نام سے دولت جمع کرنے کی نمکی، سول نظام کیلئے بھی فوجی افسر مقرر ہوئے کرنل در میجر حکمران نظر آنے لگے۔ اور ایسے افراد کہ جن کے متعلق ایک انگریز نے لکھا کہ ”جو شخص اتنا سست یا بیوقوف ہو کہ اپنی کمپنی کو اپر ہڈ تک نہ کر سکے وہ اکثر کمینڈ طرز پر خود شامی بن کر اعلیٰ افسرین کی منت و سماجت کرتے ہوئے پٹیکل بن جاتا ہے۔“

پٹیکل افسروں کی حیثیت سے پٹھانوں کی قسمت کے مالک بن بیٹھے۔ ان لوگوں میں ”بے جا مداخلت کی عادت“ اس عادت کی وجہ سے لوگ انھیں پسند نہیں کرتے اور ان سے دور بھاگتے ہیں۔“

۱۹۲۲ء میں حکومت کی مقرر کردہ ”تحقیقاتی کمیٹی“ (رے کمیٹی) نے صوبہ سرحد کا دورہ کیا تو قدم قدم پر انھیں ایسے پوسٹر اور اشتہار ملے جن پر لکھا تھا.....

”صوبہ سرحد پر کرنل در میجر حکومت کر رہے ہیں۔“

۱۵ افغان وارانہ کاٹے

۱۶ پٹیکل سچو ایشن ان سنٹرل ایشیا۔ از غنی

اس طرح صوبہ سرحد اور قبائلی علاقہ پر حکومت ہو رہی تھی، دونوں حصوں کی آبادی کو پاؤں تلے روندنا جا رہا تھا انگریز اپنے اغراض کے پیش نظر اس علاقہ کی آبادی کو کچلتا رہا اور بقول مولانا محمد علی جوہر اس سرزمین کو صحیح معنوں میں ”سرزمین بے آئین“ بنا دیا گیا۔ جہاں انگریز کی مرضی اس کا قانون اور اس کی ہر حرکت لب حکومت حکم کے معنی رکھتی تھی۔

ان حالات میں بھی ملت افغانہ حصول آزادی کیلئے لگ و دو کرتی رہی بقائلی اگر اسلحہ و بارود لئے آگ سے کھیلنے رہے تو مقبوضہ علاقہ کے باشندوں نے اپنی طریقہ سے جنگ شروع کر رکھی تھی۔ اپنے اپنے طور طریقوں سے دونوں حصول مقصد کے لئے کوشاں رہے۔ ہندوستانی زعماء یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے، ان کے کانوں تک پٹھانوں کے درد و کرب کی آواز میں پہنچ رہی تھی۔ لیکن ان کیلئے صوبہ سرحد کی طرف دیکھنا قانونی جرم تھا۔ اس سرزمین بے آئین پر انھیں قدم رکھنے کی اجازت نہ تھی۔ کوئی قومی زعيم اس خطہ ارضی میں داخل نہ ہو سکتا تھا۔ حتیٰ کہ ۱۹۱۲ء میں جب آل انڈیا مسلم لیجکیشنل کانفرنس نے پشاور میں اجلاس منعقد کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو اسے اجازت نہ ملی۔ گویا تعلیمی سرگرمیاں بھی برداشت نہ کی جاسکیں۔ حالانکہ اس کانفرنس کے کرتا و عمل بادی لوگ تھے جن پر حکومت کو اعتماد تھا اور جو کسی طرح باغی یا مخالفین حکومت میں شمار نہ ہو سکتے تھے۔ اور جب حکومت نے حالات سے مجبور ہو کر چند مسلم زعماء کو پشاور تک جانے کی اجازت دے بھی دی تو انھیں وہاں زیادہ دیر تک ٹھہرنے

لے پشاور میں مسلم لیجکیشنل کانفرنس کو اجلاس منعقد کرنے کی اجازت نہ ملی تو راولپنڈی میں اس کا انتظام کیا گیا اور اختتام اجلاس پر حکومت نے ہشکھل تھام لیا۔ شوکت علی، مولانا محمد علی، مولانا ابوالکلام آزاد اور خواجہ کمال الدین کو پشاور شعل کی اجازت دی لیکن بلدیہ انھیں واپس لوٹ جانے کی ہدایت دی۔

کی ہمت نہ مل سکی اور جلد ہی انھیں سرمین بے آئین سے نکل جانے کا حکم مل گیا۔
 پھر جب ہندوستان میں قومی تحریکات نے زور پکڑا تو انگریز کے ہوش
سرمین بے آئین اڑنے لگے اس نے صوبہ سرحد میں داخلہ پر مزید پابندیاں عائد کر دیں۔
 سرمین بے آئین کو ارض ممنوعہ قرار دیدیا گیا اور اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگا لیجئے کہ ”بی امان“
 جیسی ضعیف العمر کمزور و بجا ہڈ تک کھکھ سے رضا کار ڈولی میں اٹھائے پھرتے تھے سرمین بے آئین پر
 قدم رکھنے کی اجازت نہ ملی اور اس کے داخلہ سرحد کو انقلاب کے مترادف سمجھا جانے لگا رفتہ
 رفتہ حالات بدلتے لگے انگریز کو اپنی گرفت ڈھیلی کرنی پڑی تو نئے عمار ہند میں سے رئیس الاحرار
 مولانا محمد علی جوہر کو پہلی بار بدقت تمام ایک سیاسی کارکن کی حیثیت سے پشاور آنے کا موقع ملا

۱۔ مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی (علی برادران) کی والدہ محترمہ ”بی امان“ کے نام سے پکاری جاتی تھیں وہ
 اتنی ضعیف اور کمزور تھیں کہ چلنا مشکل تھا اس وجہ سے رضا کاران خلافت انھیں ڈولی میں لئے پھرتے تھے
 اور ان یام میں کہ علی برادران قید و بند کی زندگی گزار رہے تھے ”بی امان“ نے ہندوستان کے طول و عرض میں گھوم
 کر عوام کے جذبہ آزادی کو ابھارنے کی سعی کی تھی۔

۲۔ مجلس خلافت نے مولانا محمد علی کے دورہ پشاور کا اعلان کرنا تھا کہ حکومت کی شدید سختی میں آئی
 ڈپٹی کمشنر نے ارکان خلافت سے ملاقاتیں شروع کر دیں اور ظاہر کیا جانے لگا کہ ہندوستان میں چونکہ بانی
 اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں ایک کتاب شائع ہونے پر ہندو مسلم تعلقات کشیدہ تھے اس
 وجہ سے مولانا موصوف کا دورہ اس وقت مناسب نہ تھا کئی ہندو لیڈروں نے حکام کو ان کی آمد پر
 فساد ہوجانے کے خطرہ سے ڈرایا لیکن اس کے ساتھ ایک دوسری شکل یہ پیش آئی کہ پشاور شہر کی ایک مسلم
 انجمن نے نواب دوست محمد خان مرحوم کو غلط بیانی سے اپنا ہمنوا بنا کر حکومت کے ہاتھ مضبوط کر کے کوشش کی
 (بقیہ صفحہ ۱۵۷ پر)

تو پشاور میں ان کا وہ شاندار استقبال ہوا کہ جس کی مثال سرحد کی تاریخ پیش کرنے سے قاصر رہی، پشاور پہنچ کر مولانا موصوف صاحب کے منہ میں چھپکلی کے مصداق نظر آنے لگے انگریز اب انھیں نہ تو اظہار خیال سے روک سکتا تھا۔ نہ ہی ان کی حرکات پر پابندی لگائی جاسکتی تھی مولانا نے خیر البرجنسی کو دیکھنا چاہا تو کوشش کی گئی کہ اس علاقہ کے باشندوں کو ان کی آمد کی اطلاع نہ مل سکے اور انھیں درہ خیبر دیکھنے کی اجازت ایسے تنگ وقت میں ملی کہ خود ان کے کئی رفقاء کا بھی ساتھ نہ جاسکے، لیکن درہ کو ہاٹ سے گزرنے کے لیے چونکہ کسی خاص اجازت کی ضرورت نہ تھی اس وجہ سے درہ کو ہاٹ کے باشندوں نے محبت و اخلاص سے مولانا موصوف کے شایان شان استقبال کیا پہلی دفعہ درہ کو ہاٹ کی شرکت پر محرابیں بنائی گئیں، جگہ جگہ خود نوشت کا انتظام کیا گیا، سرحدی رفقاء کا رادر خلافتی رضا کاروں کی ایک پوری جماعت رئیس الاحرار کے ہم کاب تھی راستہ میں قدم قدم پر ان کی کاٹری روکی جاتی رہی اور وہ اتر کر مصافحہ و معانقہ میں مصروف لیکن چشم پر نم نظر آئے بیگم محمد علی برقعہ پہنے ساتھ بھیس جو پٹھان بچوں کو محبت و پیار سے چوم چوم کر دعائیں دیتی رہیں۔

ابقیہ صفحہ ۱۵۶ کا) ارکان خلافت کو علم ہوا تو انھوں نے نواب موصوف کو حقیقت حال سے آگاہ کیا نتیجہ یہ ہوا کہ جب حکومت اجازت دینے پر رضامند نظر نہ آئی اور ارکان خلافت نے صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ مولانا محمد علی کو صوبہ سرحد میں داخلہ نہ ملنے کی صورت میں بھی پروگرام میں کوئی فرق نہ آئے گا۔ اور وہ ان کی تصویر کا جلوس نکالیں گے تو یہی نواب ارباب دوست محمد خان تھے جنھوں نے ارکان خلافت کی پشت پناہی کرتے ہوئے قیام امن کی ذمہ داری اپنے سر لیکر حکومت کو مجبور کر دیا کہ وہ خاموش ہو جائے۔ چنانچہ مولانا موصوف کو سرزمین بے آئین پر قدم رکھنے کی اجازت مل گئی۔

قومی تحریکات میں پٹھانوں کا حصہ

رئیس الاحرار کی آنکھوں کو پر خم دیکھ کر اکثر اجاب نے
اسی کو "مہرے کے آنسوؤں" سے تعبیر کیا۔

لیکن کوہاٹ پہنچ کر انھوں نے فرمایا کہ مجھے ان پٹھانوں کے کپڑوں سے بوا رہی تھی اور ڈرتا
ہوں کہ انگریز انھیں غلام بناتے بغیر چین نہ لے سکے گا اور بالآخر وہی کچھ ہوا کہ جس کا انھیں
ڈر محسوس ہو رہا تھا۔ اور گوباشندگان درہ کوہاٹ بظاہر آزاد رہے لیکن سیاسی حیثیت میں مختلف
طور طریقوں سے جکڑ کر انھیں بے بس بنادیا گیا۔ بایں ہمہ جوں جوں ہندوستان میں قومی تحریک
نے زور پکڑا۔ یہ قبائلی ان کی تقویت کا باعث بنے اور درہ کوہاٹ کے افریدی بھی برابر کے
شریک رہے۔ ہندوستان کی جنگ آزادی میں یہ پٹھان دوسرے صوبہ جات کے
پہلو پہلو مصروف جنگ ہو کر اکثر و بیشتر مواقع پر ان سے سہقت لے جاتے رہے
چنانچہ جب ہمہ گیر تحریکات نے جنم لیا اور مخالفت رولٹ ایکٹ سے ان کی ابتلا ہوئی تو پٹھان
نے دل کھول کر اس میں حصہ لیا۔ سینکڑوں قومی کارکنوں کو قید و بند میں ڈال دیا گیا۔ مارشل لا
سے عوام کو کچلا گیا۔ ہجرت کی تحریک شروع ہوئی تو ہندوستان کا کوئی صوبہ پٹھانوں کا
مقابلہ نہ کر سکا۔ لا تعداد پٹھان مذہب کے نام پر اپنے وطن کو خیر باد کہہ گئے۔ خلافت کی
تحریک میں پٹھانوں کی قربانیاں نمایاں حثیت رکھتی ہیں تو تحریک عدم تعاون میں تو عملاً
پٹھانوں نے وہ کچھ کر دکھایا کہ انگریز دم بخود تھا، اور شہزادہ ویلز کی آمد پر تحریک بائیکاٹ
جس کا بیاب طریقہ پر چلائی گئی تھی اس کی مثال شاید ہی کسی دوسری جگہ مل سکے۔

انگریز ساہا سالی تک اس ملک پر حکومت کرنے کے باوجود عوام کے

ہندو مسلم اتحادی دلوں پر قبضہ نہ جاسکا۔ باشندگان وطن اس کی روش، اس کی
رعونت اور اس کے جبر و استبداد سے تنگ آچکے تھے۔ طوق غلامی اتنا بھینکنے کی

ہر ممکن کوشش کی جا رہی تھی۔ قومی تحریکات نے زور پکڑا، ہندو مسلم بھائی بھائی نظر آنے لگے اور ۱۹۱۹-۲۲ء کا زمانہ تو قابل یادگار اتحاد کا زمانہ ثابت ہوا۔ لیکن ہندو کی تنگ نظری نے زیادہ دیر تک اس اتحاد کو قائم رہنے نہ دیا۔ ہندو مسلم جو مشترکہ حیثیت سے آزادی کے طلب گار تھے وہ ایک دوسرے کو پھر شکوک نگاہوں سے دیکھنے لگے ہندو کو خیال - کہ آزادی مل جانے پر وہ ملک میں اپنی خواہش کا رام راج قائم کرے کیونکہ ہزار ہا سال کے بعد سے کہیں آزادی کی جھلک دکھائی دی تھی اور ہر مسلمان کو یہ خطرہ کہ اگر بلا کسی تصفیہ کے عنان سلطنت ہندو کے ہاتھ میں دیدی گئی تو مسلمانوں کی جدا گانہ ہستی ہی ختم ہو کر رہ جائیگی نتیجہ یہ کہ علی برادران کہ جنھوں نے صحیح معنوں میں کانگریس کو نیشنل (قومی) کانگریس بنایا تھا۔ ہندو کی روش سے غیر مطمئن نظر آنے لگے۔ انھوں نے دوران تحریکات وطنی میں ہندو کی ہر حیثیت سے ناز برداری کی، یہاں تک کہ خود مسلمان رفقا اور دوسرے برادران ملت ان کے خلاف انگلیاں اٹھانے لگے۔ بایں ہمہ وہ آخر دم تک ہندو مسلم اتحاد قائم رکھنے کی سعی کرتے رہے۔

نہرو رپورٹ | ہندو پر طاقت کا بھوت سوار ہو چکا تھا اور اب اسے اپنی قوم منظم نظر آرہی تھی اسے امید بندھ چلی تھی کہ ہندوستان میں رام راج

کے قیام کا خواب شرمندہ تعبیر ہو کر رہے گا وہ اپنی روش پر قائم رہا اور جب اس نے دیکھا کہ انگریز گھٹنے ٹیکنے کو ہر تو ایک قومی آئین مرتب کرنے کا اعلان کر دیا، پنڈت موتی لال نہرو آجہانی کی صدارت میں کمیٹی کا قعر عمل میں آیا۔ بظاہر مختلف الجھال کا رکنان قوم کو اس میں شمولیت و صلاح و شور و کے لئے طلب کیا گیا تھا، لیکن بات کسی کی بھی نہ سنی گئی یہ کمیٹی دی کچھ کرتی رہی کہ جس کا وہ بزم خویش پہلے سے فیصلہ کر چکی تھی، چنانچہ

”نہرو پورٹ“ کے نام سے یہ نام نہاد قومی آئین شائع ہوا، اس میں ملک کے لئے ”درجہ مستحکمات کا مطالبہ کیا گیا تھا۔“

مسلمانوں کو عملاً اقلیت بنا کر بے بس کر دینے کی کوشش ہوئی اور جہاں وہ اکثریت میں تھے وہاں بھی ان پر پابندیاں عائد ہوئیں، حتیٰ کہ پنجاب اور بنگال میں بھی مسلمان اپنی اکثریت قائم نہ رکھ سکے۔

خیال کیا جاسکتا ہے کہ مسلم زعماء اور علماء نے من حیث الجماعت اس آئین کی مخالفت کی ہوگی لیکن حقیقت اس کے عکس تھی ان میں کی اکثریت کانگریس کی چال بازیوں کا شکار ہو گئی۔ سیم وزر کی جھنکار، کرنسی نوٹوں کی کرٹک اور دوسرے دلکش نظاروں نے ان کی آنکھیں خیرہ کر دیں۔ کانگریس نے ان کی طبیعتوں کا جائزہ لیتے ہوئے ان کی نبض دیکھ کر مناسب کارروائی سے انھیں ایسا مدہوش کر دیا کہ مستقبل میں ملت کی بربادی کا خیال بھی نہ کر سکے وہ کانگریس کے عزائم سمجھنے سے قاصر رہے اور آنکھیں بند کئے کانگریس کی ہمنوائی کرنے لگے۔ اوروں کو تو جانے دیجئے خود جمیعت علماء ہند کہ جو علماء کی مقدس و مسلم جماعت تھی اور جس سے ملت اسلامیہ صحیح معنوں میں اپنی توقعات وابستہ کر سکتی تھی۔ مذکورہ دام دزد ویر کا شکار ہو گئی۔ اور ملت اسلامیہ کو نہرو پورٹ کے نام سے جو پیغام موت دیا جا رہا تھا اس پر دستخط کر دینے پر آمادہ کر لی گئی تھی۔ بلاشبہ ان زعماء اور علماء میں ایک بہت ہی قلیل تعداد ایسے افراد کی بھی تھی جو دیانتداری سے نہرو پورٹ کو مسلمانوں کے مفاد کے لئے مفید سمجھتے تھے اور ایسے افراد بھی تھے کہ جو مستقبل میں ملت کی بربادی کو دیکھ سکتے تھے لیکن اہل الذکر ملت کو مطمئن کرنے میں کام رہے تو موخر الذکر بہت وجہات کے فقدان کی وجہ سے مخالفت نہ کر سکے۔

ان حالات میں مجلس خلافت ہی کی جماعت تھی جو خاموش نہ رہ سکی، لیکن مشکل یہ درپیش تھی کہ خود اس کے دست و بازو اس سے کٹ کر نہرو پورٹ کی ہنگامہ آرائی میں مصروف تھے، جماعت کے قائد مولانا محمد علی بختر علی ملک سے باہر یورپ میں مقیم تھے بایں ہمہ مولانا شوکت علی کی قیادت میں مجلس خلافت میدان مخالفت میں اتر آئی اور پھر عبد ہی مولانا محمد علی بھی یورپ سے واپس لوٹ کر میدان کارزار میں دکھائی دینے لگے، ادھر اعتدال پسند عنصر بھی نہرو پورٹ کی ہمنوائی نہ کر سکا۔

قائد اعظم جو اس وقت محمد علی جناح تھے اس رپورٹ کو مسترد کر دیا۔ اس طرح اب دوسرے حلقوں سے بھی خلافت کی ہمنوائی ہونے لگی۔ کانگریس اپنی دولت اپنے اثر و رسوخ، اور اپنے کثیر اشاعت اخبارات کی حمایت سے بھی جب ملک کو رضا مند نہ کر سکی۔ تو ایک نیا ڈھنگ رچایا گیا اور دریائے راوی (لاہور) کے کنارے ۱۹۲۹ء میں کانگریس کا اجلاس منعقد کرتے ہوئے پنڈت جواہر لال نہرو کی قیادت میں ”مکمل آزادی“ کے مطالبہ کے ساتھ ”نہرو رپورٹ“ کے دریا برد کرنے کا اعلان کر دیا گیا۔ ملک میں ”مکمل آزادی“ کے نام سے نئی ہنگامہ آرائی شروع ہوئی۔ مسلمانوں کے جذبہ آزادی کی تحریکیں ہونے لگیں اور اس جذبہ سے فائدہ اٹھا کر انھیں ایک بار پھر کانگریس کے ہمنوا بنانے کے لئے تگ و دو شروع ہوئی۔ لیکن مسلمان اس فریب کا شکار نہ ہو سکے۔

اسی دوران میں انگریز نے ”گول میز کانفرنس کی تجویز“ گول میز کانفرنس اور سچان پیش کرتے ہوئے اس میں شمولیت کے لئے ہندوستان

کے مختلف ان خیال زعماء کو دعوت نامے بھیجے۔ کسی کو جماعتی حیثیت سے دعوت نہ ملی تو کانگریس کو اپنا وقار خطرے میں دکھائی دینے لگا۔ اس وقت اسے ملک میں اپنی طاقت

اور حمایت نظر آرہی تھی۔ اپنے آپ کو بلا اشتراک ملک کی نمائندہ سمجھتی اور انگریزوں سے کسی دوسرے فرد یا جماعت کو حصول آزادی کے سلسلہ میں گفتگو کرنے کا حق دینے کو تیار نہ تھی۔ چنانچہ اس نے گول میز کانفرنس میں شمولیت سے انکار کر دیا اور یہاں کہہ دیا گیا کہ ملک کی نمائندگی کا حق صرف کانگریس کو تھا اور یہ کہ گاندھی جی ہندوستان کی تمام اقوام کے مشترکہ قائد رہتا تھے۔

پٹھانوں میں قومی تحریکات نے حقیقتاً جنگ طرابلس اور جنگ بلقان کے دوران میں فروغ پکڑا اور جب اول جنگ عظیم میں خلافت عثمانیہ پر مصائب و آلام کے بادل برسنا شروع ہوئے تو ملت اناغزہ پوری طرح تلملا اٹھی، اس بیداری نے انھیں اپنی پسماندگی کی طرف بھی متوجہ کیا تو انھوں نے صوبہ سرحد میں نفاذ اصلاحات کا مطالبہ پیش کر دیا اور باقی صوبوں

۱۹۲۹ء میں کہ جس وقت کانگریس کا سالانہ اجلاس زیر صدارت پنڈت جواہر لال نہرو منعقد ہو رہا تھا اور جہاں مکمل آزادی کی تجویز بھی منظور ہوئی تھی اس وقت مجلس خلافت کا سالانہ اجلاس بھی ہندوستان کے مشہور قومی کارکن نواب محمد امین خاں کی صدارت میں بمقام لاہور انعقاد پذیر ہوا تھا۔ جہاں مجلس خلافت کی ایک سابقہ قرارداد ”مکمل آزادی“ کے اعادہ اور اگلے اجلاس میں پیش کرنے کا فخر مولف کتاب ہذا واللہ بخش یوسفی، کو حاصل ہوا۔

کانگریس اپنے نمائندگی کے ڈھونگ رچانے میں ناکامیاب رہی تو پہلے اجلاس گول میز کانفرنس میں شمولیت سے انکار کرنے کے باوجود دوسری گول میز کانفرنس میں گاندھی جی نے شمولیت کرنی اور جب ہندوستانی ارکان کانفرنس شاہی دربار میں مدعو ہوئے تو گاندھی جی ہندوستان کے نمائندہ کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک عام رکن کی حیثیت سے اس وفد میں شامل ہوئے جس کی قیادت ہرہائی نس سہرا غا خان کر رہے تھے۔

ہند کے ساتھ برابر کے حقوق طلب کئے جانے لگے۔ بد قسمتی سے پٹھانوں میں ایک ایسا طبقہ بھی موجود تھا جو اپنی دیرینہ سرداری اور روایتی فوقیت کو کسی قیمت پر قربان کرنے کو تیار نہ ہو سکا۔ لیکن حالات زمانہ بہ سرعت تمام بدل رہے تھے، طرنداران اصلاحات نے کہ جو عام طور پر تعلیم یافتہ طبقہ کہلاتا تھا اپنی کوششیں جاری رکھیں اور جب مجلس خلافت کو سرزمین سرحد پر مقبولیت حاصل ہوئی تو اس نے نفاذ اصلاحات کی تحریک کو اس گرجبوشی سے چلایا کہ ہندوستان کی مرکزی مجلس آئین ساز تک میں ایک قرارداد بلا تقسیم آرا منظور کر لی گئی تھی۔

اس فیصلہ کے باوجود انگریز مخالفین نفاذ اصلاحات کی حمایت کرتا رہا۔ اور ”برے کیٹی“ کی رپورٹ میں انھیں اصلاحات کا اہل تسلیم کرتے ہوئے بھی اب

۱۷ مجلس آئین ساز میں سید مرتضیٰ بہادر صدر مجلس خلافت نے ۱۹۲۶ء میں نفاذ اصلاحات کا مطالبہ پیش کیا تو ہندو ارکان مجلس نے شدت سے اس کی مخالفت کی اور کانگریس سوراخ پارٹی جو ملک کے لئے آزادی کی طلب گار تھی صوبہ سرحد کیلئے معمولی اصلاحات کو برداشت نہ کر سکی اور پندرہ مئی لال نہرو کی قیادت میں اجلاس سے ”واک آؤٹ“ کر گئی۔ اس اجلاس کے دوران میں ہندوؤں نے صوبہ سرحد میں خفیہ انجمن نام کی ایک کتاب بزبان انگریزی شائع کی۔ اور نہایت رازداری سے اسے صرف ہندو اور انگریز ارکان مجلس میں تقسیم کیا گیا جس کا جواب ”ہمارا حق ہیں دیدو“ کے نام سے انگریزی میں میان جعفر شاہ اور مولف کتاب ہذا (یوسفی) نے مجلس کے آخری اجلاس میں جو کوئی دس بارہ دن بعد انعقاد پذیر ہو رہا تھا تقسیم کر دی تھی۔ یہ کتاب ”سرخ پھلٹ“ کے نام سے موسوم ہوئی مٹر بعد میں قائد اعظم، محمد علی جناح اور دوسرے مسلم زعماء نے اپنی تقاریر میں اس کا حوالہ دیتے رہے۔

توسیع اصلاحات پر رضامند نہ تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بدستی سے "خوانین" اور "عوام" کے نام سے کش مکش نے زور پکڑا، تا آنکہ گول میز کانفرنس کا اعلان ہو گیا۔ اب نمایندگی کے سوال پر زور آزمائی ہونے لگی تو ایک طرف خوانین اور عوام میں رسد کٹی ہوئی تھی تو دوسری طرف ہندو اپنے لئے جداگانہ نمایندگی کا طلب گار تھا۔ اس ہنگامہ آرائی میں نواب سر صاحبزادہ عبدالقیوم خان اپنے آپ کو نامزد کرانے میں کامیاب ہو گیا۔ مجلس خلافت کی حمایت تو انہیں حاصل تھی ہی۔ اکثر تعلیم یافتہ خوانین بھی انکی ہمنوائی کرنے لگے، ورمندوں نے بھی کش مکش کے بعد ان کی قیادت یا نمایندگی کو تسلیم کر لیا۔ گول میز کانفرنس میں جس قابلیت سے انھوں نے بچانوں کے مسئلہ کو پیش کیا اس کا اندازہ اس تقریر پڑھنے سے ہو سکتا ہے کہ جو انھوں نے اس کانفرنس میں کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت برطانیہ نے بچانوں کو مطمئن کرنے کے لئے فوری طور منڈو مارے قسم کی کونسل کے نفاذ کا اعلان کر دیا۔ اور بعد میں دوسرے صوبوں کے برابر حقوق دے گئے تھے۔

۱۹۲۲ء میں ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کی گئی جو اپنے صدر کے نام کی نسبت سے "برائے کمیٹی پکاری جاتی ہے اس کمیٹی کی رپورٹ میں بچانوں کو ہر حیثیت سے اصلاحات کا اہل قرار دیا گیا تھا۔

۱۹۲۲ء یہ تقریر نواب موصوف نے راولپنڈی کانفرنس کی مقرر کردہ صوبہ سرحد کمیٹی میں کی تھی جو روئداد کانفرنس کے سلسلہ میں شائع ہو چکی ہے۔

آئین ۱۹۳۵ء کے نفاذ کے بعد بھی قبائلی علاقہ کے نظم و نسق قیام پاکستان میں کوئی قابل ذکر فرق نہ آیا اسے جب سابق دوسرے علاقوں سے علیحدہ رکھا گیا۔ سیاسی حیثیت میں اسے ہندوستان اور افغانستان کے درمیان ”درمیانی علاقہ“ کی اہمیت و وقعت حاصل رہی۔ پھر تحریک مسلم لیگ نے زور پکڑا ۱۹۴۷ء میں بمقام لاہور ”قیام پاکستان“ کی تجویز منظور ہوئی۔ صوبہ سرحد میں سرخپوشوں کے ذریعہ کانگریس نے مسلم لیگ کے اثر و رسوخ کو کم کر دینے کی ہر ممکن کوشش کی تا آنکہ ۳ جون ۱۹۴۷ء کو حکومت نے ہندوستان کو دو حصوں میں تقسیم کر دینے کا اعلان کر دیا۔ قبائلیوں نے قیام پاکستان کی حمایت میں مقبوضہ علاقہ کی آبادی کا پورا ساتھ دیا، کانگریس نے استصواب رائے عامہ کا مطالبہ کیا۔ لیکن اس اقدام میں اسے ناکام رہنا پڑا اور اس استصواب کی روشنی میں صوبہ سرحد اور قبائلی علاقہ کو پاکستان میں شامل کر دیا گیا۔

قیام پاکستان کے بعد قبائلی علاقہ کو تاریخ میں پہلی بار ترقی کو نزدیک موقع ملا سابقہ حکومت نے جس سختی سے ان قبائل کو کھل دیا تھا اسی نرمی سے حکومت پاکستان ان قبائل کی فلاح و بہبود کے لئے سرگرم ہے تمام سرحدی علاقہ میں ترقیاتی اسکیموں کا اجرا کیا۔ بچانوں کیلئے ترقی کرنے کے وسائل مہیا کئے۔ تعلیم کو فروغ دینے کے لئے مدارس کا جال بچھایا جا رہا ہے۔ وسیع پیمانہ پر طلباء کو وظائف دئے جا رہے ہیں۔ دور دراز علاقوں تک بجلی کی روشنی پہنچائی جا رہی ہے، آب رسانی اور

سامان خوراک کی فراوانی کا انتظام کیا جا رہا ہے اور ساتھ ہی قبائلی علاقہ کی
 معدنی دولت کے کھوج لگانے اور اس سے ملک و قوم کو مستفید کرنے کے لئے
 سعی و عمل ہو رہا ہے۔ توقع ہے کہ وہ علاقہ جو پوری ایک صدی تک انگریزوں کے
 ہاتھوں تباہ و برباد ہوتا رہا تھا اب اپنی ملی حکومت کے تحت دن دو دن اور آتے
 چوگنی ترقی کرتے ہوئے ترقی یافتہ اقوام کے ساتھ برابر کی حیثیت حاصل کر لے گا
 خدا ان قبائل کو ہمت و استقلال اور حکومت پاکستان کو استحکام عطا فرمائے

آمین



★ سید فرید اللہ شاہ ★
پولیشکل افسر درہ کوہاٹ (بطرف کوہاٹ)

اورک زنی



اورک زئی

اورک زئی یہ قبیلہ زیادہ تر علاقہ تیراہ اور سمانا میں آباد ہے اور کوہاٹ کے شمال مغرب کی طرف کی پہاڑیوں میں اس قبیلہ کے قیام نے اسے درہ کوہاٹ کی سیاست میں داخل کر دیا تھا۔ ان کی کثرت آبادی وادی مستورہ میں مقیم ہے جو علاقہ تیراہ کا قریب نصف جنوبی حصہ گھیرے ہوئے ہے اور تیراہ کی خوبصورت ترین وادیوں میں شمار ہوتی ہے۔ اس کی انتہائی درنجائی سٹیج سمندر سے چھ ہزار فٹ بلند بیان کی جاتی ہے۔ اورک زئی اکثر ایام سرماٹاؤ ہی میں زئی میں گزارتے ہیں۔ خانکے اور کرمانہ کی وادیوں میں کاشت کرتے اور موسم گرما کے شروع ہوتے پر تیراہ کا رخ کر لیتے ہیں اورک زئی شکل و شباہت و قدامت و جسامت رسم درواج ہر حیثیت سے پتھان ہیں اور اپنے پتھان ہونے پر فخر کرتے ہیں۔ المنہ بعض مورخین کا خیال ہے کہ ان کا سلسلہ نسب قیس عبدالرشید کی بجائے اس دور کے کسی اور رئیس سے

جا ملتا ہے بعض مورخین "اورک" کے معنی گم شدہ لیتے ہوئے اسے مستقل حیثیت نہیں دیتے، ان کے خیال میں مختلف قبائل سے ٹوٹ ٹوٹ کر افراد نے ایک جدید قبیلہ کی بنیاد رکھی اور اس وجہ سے انھیں "اورک زئی" یا گم شدہ قبیلہ کے نام سے پکارا جانے لگا، بہر حال پٹھانوں کی اکثریت جس شجرہ نسب پر متفق ہے اس پر نظر ڈالی جائے تو اورک زئی قیس عبدالرشید کے لڑکے غرغشت کی اولاد سے دکھائی دیتے ہیں۔

اس قبیلہ کی قیمت ابتدا ہی سے آفریدی قبائل سے وابستہ رہی ہے اور یہ درہ خیر کے باشندوں نے نادر شاہ کے لیے درہ خیر کا راستہ بند کر دیا تھا تو اسی قبیلہ اورک زئی کے ایک ملک دسردار نے رہنمائی کرتے ہوئے اسے تیراہ اور چورہ کے راستے سے پشاور پہنچنے کی رہنمائی کی تھی۔

انگریز کی آمد | انگریز کے سر زمین صوبہ سرحد پر قدم رکھنے کے بعد اورک زئی قبیلہ نے حکومت انگلشیہ کے لئے کوئی ایسی قابل ذکر مشکل پیدا نہ کی کہ جس وجہ سے لشکر کشی کی نوبت آتی۔ ۱۸۵۷ء میں اس قوم کے ایک ملک حجت خان درہ کوہاٹ کے تحفظ کے سلسلہ میں آٹھ ہزار روپے سالانہ دینے کا اقرار ہوا تھا، اور کچھ عرصہ تک یہ نظام قائم رہا، پھر اس قوم کو مزید زیر بار حاکم کرنے کے لئے اس کی شاخ دولت زئی کی ذیلی شاخ بیڑ دتی اور فیروز خیل، ۲۴ ستمبر ۱۸۵۲ء اور قبیلہ محمد خیل کی شاخ سپاہ سے ۲۴ دسمبر ۱۸۵۲ء

کو معاہدہ کر لیتے۔ جن میں انھوں نے درہ کوہاٹ کی نگرانی میں دوسرے قبائل کے ساتھ شریک ہو جانے کا اقرار کیا، اس کے عوض اول الذکر قبائل کو دو ہزار روپے اور مورخانہ قبیلہ کو پانچ صد روپے سالانہ مواجب ملے لگا پھر ۱۸۵۵ء میں قبیلہ دولت زئی کی شاخ اتمان خیل نے مذکور مواجب میں اپنا حق جتایا اور مطالبہ کیا کہ اسے بھی درہ کی حفاظت کے سلسلہ میں دوسرے قبائل کے ساتھ شریک کیا جائے، چنانچہ قبائل کی باہمی رضامندی سے مندرجہ بالا دو ہزار روپے میں ان کا حصہ بھی مقرر کر دیا گیا۔

۱۸۵۵ء میں رادی میران زئی پر۔ انگریزوں نے اپنا تسلط جمایا معاہدہ ۱۸۵۵ء تو ادیک زئی قبیلہ نے مخالفت کرتے ہوئے اسے پریشان کرنا شروع کیا۔ لیکن اس وقت کوئی ایسا شدید اقدام نہ کیا کہ جس کی وجہ سے انگریز لشکر کشی پر مجبور ہوتا۔ ایک عرصہ گزرنے کے بعد ۱۸۵۵ء میں ان کی سرگرمیاں شدت اختیار کرنے لگیں۔ انگریز اس وقت تک وادی کرم اور میران زئی پر پوری طرح اثر و رسوخ قائم کرنے کی فکر میں تھا، اسے اس قبیلہ کی حرکات سے تشویش پیدا ہوئی، تو بجارٹ ظاہر ہونے لگا، تا آنکہ اس قبیلہ کی ایک شاخ راجہ خیل نے انگریزی علاقہ میں بداسنی پیدا کرنی شروع کر دی۔ اب انگریز کے لئے راستہ کھلا تھا۔ اسے بہانہ مل گیا، چنانچہ ہنگو میں لشکر کے اجتماع کے لئے ۲۵ اگست ۱۸۵۵ء کو فوجی کیمپ کے آغاز کا اعلان کر دیا گیا۔

یکم ستمبر کو لشکر نے کوچ شروع کیا۔ تو اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔

ایک کو موضع ناسین اور سنگر اور دوسرے حصہ کو کٹسا کے برباد کرنے کا حکم ملا۔ ناسین اور سنگر وادی میران شاہ میں ایسی جگہ واقع ہیں کہ جہاں تک لشکر باسانی نہ پہنچ سکتا تھا۔ راستہ کی آبادیوں سے مٹھیر کے خطرے نے انگریزوں کو مجبور کیا کہ وہ پوری رازداری سے اقدام کرے تاکہ قبیلہ اورک زئی نکتہ پہنچنے سے قبل راستہ کی کسی آبادی کو اس حملہ کا علم نہ ہو سکے۔ چنانچہ نہایت رازداری سے کام لیتے ہوئے یکم ستمبر کو رات گیارہ بجے روانگی شروع ہوئی اور راتوں رات چودہ میل سفر کرنے کے لئے اس لشکر نے اچانک اورک زئیوں پر حملہ کر دیا۔ لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ اورک زئیوں نے مقابلہ کیا اور اس دوران میں اپنے بال بچوں کو پیچھے پہاڑیوں میں پھپھوایا اور مویشی چھوڑ کر خود بھی بھاگ نکلنے میں کامیاب رہے۔ انگریز نے جب معمول انکی آبادیوں کو مسمار کیا۔ ان کے فصل کاٹ ڈالے اور مویشیوں پر قبضہ کر لیا۔

دوسری طرف کٹسا پر پہلے بولا، لیکن وہاں کے باشندوں کو انگریز کے ارادہ کا قبل از وقت علم ہو چکا تھا، اس وجہ سے وہ انگریزی لشکر کے پہنچنے سے قبل ہی علاقہ خالی کر گئے، یہاں بھی ان کے مسکن برباد کیے گئے جو کچھ بچا کھچا مال تھا اس پر قبضہ کر لیا گیا، جب انگریز یہ سب کچھ کر چکے تو لشکر کو واپسی کا حکم ملا، خیال تھا کہ واپسی پر اس لشکر کو کوئی مشکل پیش نہ آئے گی لیکن معاملہ اس کے برعکس نکلا۔ اورک زئی ایک ایک ایسے زمین پر مقابلہ کرتے نظر آئے۔ اس ہتکارہ آرائی و تباہی کے بعد سلسلہ

کوشش کی جانے لگی کہ بیزوتی قبائل کو گھیرے میں لے لیا جائے۔ اس کوشش میں بیزوتیوں نے جم کر مقابلہ کرتے ہوئے انگریز کمانڈر کو موت کے گھاٹ لتا کر دیا۔ لشکر انھیں گھیرے میں نہ لے سکا تو واپسی کا بھگل بجا۔ لیکن اورک زیوں کے حوصلے بلند تھے۔ انھوں نے تعاقب شروع کر دیا۔ انگریز لشکر نے یکے بعد دیگرے دو دفعہ ہلٹ کر مقابلہ کرنا چاہا، لیکن اسے کوئی کامیابی دکھائی نہ دی اور چونکہ رات بھر اس علاقہ میں مقیم رہنا دشوار تھا۔ اس لئے جوں توں کر کے اس لشکر نے واپس گھر پہنچنے کی کوشش کی

انگریز نے اپنا دیرینہ حربہ استعمال کرتے ہوئے ناکہ بندی کا اعلان کر دیا۔ اورک زیوں کے حوصلے تو بلند تھے ہی۔ وہ خاموش نہ رہے اور ۱۳ فروری ۱۸۶۹ء کو انگریز چوکی پر حملہ کرتے ہوئے ایک سیاہی کو قتل کرنے کے بعد تین کوزند اٹھائے، دھڑلے سے انگریز درہالن میں چکیاں قائم کر کے بھگارا اور وانا خلد پر قبضہ جانے کی فکر میں تھا۔ اس نے موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا اور نہایت رازداری سے ۲۵ فروری ۱۸۶۹ء کو نصف رات کے قریب لشکر کو اقدام کا حکم دے دیا لیکن اس رازداری کے باوجود کارا کے باشندوں کو انگریز لشکر کے آنے کی اطلاع مل گئی تو وہ راتوں رات مال مویشی لئے کارا سے کوچ کر گئے۔ انگریز کے پہنچنے پر اسے کارا میں ایک انسان بھی دکھائی نہ دیا تو اس نے حربہ حملہ اس گاؤں کو پیوند زمین کر دیا۔ چونکہ حملہ کارا از ظاہر ہو گیا تھا اس وجہ سے انگریز نے وانا خلد پر حملہ کا ارادہ ترک کرتے ہوئے واپس کوہاٹ کی راہ لی۔ لیکن واپسی پر اس لشکر کو ایک ایک ایچ زمین پر اورک زیوں سے مقابلہ کرنا پڑا

اور وہ کافی نقصان اٹھانے کے بعد کوہاٹ پہنچا۔

ان حالات میں خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں باقی قبائل بھی شتمل ہو کر حملہ نہ کریں چنانچہ اس حملہ کے خوف سے پشاور کی طرف وہ کوہاٹ کے ناکہ کے قریب انگریز لشکر کا اجتماع ہوا اور کوئٹہ کرنے یا جنگ کا بجل بجانے کا منتظر ہو گیا اس دوران میں بنو دنیوں (اورک زئی) سے نامہ و پیام شروع ہوا۔ تو ۲۸ اپریل ۱۸۶۹ء کو معاہدہ صلح ہو گیا اور یہ کش کش ختم ہوئی۔

اس فیصلہ کو ایک سال بھی گزرنے نہ پایا تھا کہ قبیلہ علی شیر ۱۸۷۰ء معاہدہ سے اختلافات شروع ہوئے۔ حالات بگڑتے گئے تو انھوں نے مقبوضہ علاقہ پر حملہ کر دیا لیکن معاملہ نے زیادہ طول نہ کھینچا۔ نامہ و پیام سے مسائل کا حل تلاش کر لیا گیا۔ اور ۲۵ مارچ ۱۸۷۰ء کو معاہدہ صلح ہو گیا۔ بنو دنی قبیلہ پر گیارہ سو روپے جرمانہ عائد کیا گیا جس کی ادائیگی اور شرائط صلح پر عمل درآمد کرنے کی ذمہ داری ملک جنگی ساکن و رسمند اور ملک محمود ساکن زرخیل نے اپنے ذمہ لی۔

رفتہ رفتہ مختلف طور طریقوں سے دوسرے قبائل کو بھی ۱۸۷۲ء معاہدہ زیر اثر لایا جانے لگا۔ چنانچہ ۲ اپریل ۱۸۷۳ء کو برمخیل عبدالعزیز خیل اور بنی خیل قبائل سے معاہدہ صلح ہوا۔ تو ۱۰ مئی ۱۸۷۲ء کو قبیلہ سپاہ نے بھی معاہدہ پر دستخط کر دئے۔ اس کے کوئی چار سال بعد ۱۸۷۶ء میں درہ کوہاٹ کے سلسلہ میں قبیلہ اتمان خیل سے پھر اختلافات شروع ہوئے۔ تو اس قبیلہ کے افراد نے ہنگامہ آرائی شروع کی لیکن ان

حالات میں کہ ارد گرد کے دوسرے قبائل سے انگریز معاہدے کر چکا تھا۔
یہ ہنگامہ آرائی کچھ زیادہ کارگر ثابت نہ ہوئی۔ انگریز نے ناکہ بندی کا اعلان کیا
تو جلد ہی اس قبیلہ نے پراسن رہنے کا اقرار کر لیا۔

اول جنگ افغانستان ۱۸۴۱ء - ۱۸۴۲ء میں قبیلہ

اول جنگ افغانستان | اورک زئی نے افغانستان کی حمایت میں انگریز

کو پریشان کرنا چاہا۔ چنانچہ قبیلہ رابوخیل نے میران زئی کے علاقہ میں انگریز کیلئے

مشکلات پیدا کر دیں۔ سلسلہ رسل و رسائل میں رکاوٹیں پیدا ہونے لگیں۔

۱۸۴۱ء کے ماہ نومبر اور دسمبر میں قبیلہ اخیل اور علی خیل نے ہنگامہ آرائی شروع

کی اور ان کے کارناموں کو دیکھتے ہوئے دوسرے قبائل نے بھی ہاتھ پاؤں ہلانے

شروع کئے۔ دچنانچہ ۱۸۴۱ء میں علی شیر زئی اور راموزی قبائل نے میران زئی

کی سرحد پر شد بدھم حملہ کر دیا۔ علاقہ میں ہر طرف بد امنی ہی بد امنی دکھائی دینے لگی۔

فضا ہر طرف سکھ نظر آنے لگی۔ اس موقع پر انگریز کے لئے ہر قبیلہ کے مقابلہ کو

لشکر روانہ کرنا آسان کام نہ تھا۔ نہ وہ بیک وقت کئی قبائل سے نبرد آزما ہو سکتا

تھا، اس نے خیر اسی میں دیکھی کہ سلسلہ نامہ و پیام سے ہی معاملات کو سنبھال لے

اور بڑی حد تک اس میں کامیابی بھی ہوئی۔ چنانچہ اخیل اور علی خیل

سے جنوری ۱۸۴۹ء میں معاہدہ ہوا، لیکن دیر پا ثابت نہ ہو سکا، تو ان قبائل

نے پھر ہنگامہ آرائی شروع کی جو ۱۸۵۰ء تک جاری رہی۔ ۱۸۵۰ء میں علی شیر زئی

اور محمد زئی صلح پر آمادہ ہوئے لیکن پھر محمد زئی نے اپنی روش بدل لی تو انکی

ناکہ بندی کر دی گئی۔ اس ناکہ بندی کا اس قبیلہ پر کچھ اثر نہ ہوا تو اس نے اخیل

اور علی خیل سے مل کر انگریز پر ایک کاری ضرب لگائی، انگریز کے کئی افراد قتل ہوئے اور یہ کشمکش دو سال سے زائد عرصہ تک یونہی چلتی رہی۔ بالآخر ۱۸۸۳ء میں صرف قبیلہ محمدزی کو صلح پر آمادہ کیا جاسکا۔

وقت یونہی گزرنا گیا۔ علاقہ میں امن قائم نہ ہو سکا۔

میراں شاہ کی پہلی ہم | طرفین ایک دوسرے کے سامنے جھکنے کو تیار

نہ ہوئے، قبائلیوں کی سرگرمیوں میں بھی اور اضافہ ہونے لگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وادی خانگی میں راجہ خیل محمدزی مشتی اور شیخان نے اودھم مچا دیا۔

انگریز بھی اب مقابلہ کے لئے تیار تھا۔ جنوری ۱۸۹۱ء میں میراں شاہ کی طرف لشکر روانہ کرنے کا فیصلہ ہوا۔ بڑی تعداد میں لشکر کا اجتماع ہوا، تو اسے ۲۹ جنوری ۱۸۹۱ء کو میراں شاہ کی طرف روانگی کا حکم ملا، یہ اقدام میراں شاہ کی پہلی ہم کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

قبائل نے اس انگریز لشکر کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، لیکن اتنے جم غفیر اور کیل کاٹے سے پس لشکر کو روکنا ان کے پس کی بات نہ تھی۔ انگریز اقدام کرتا ہوا راستہ میں کی ہر آبادی پیوند زمین کی حالتی رہی۔ فصل برباد ہوتے رہے۔ اس علاقہ میں جو کچھ دکھائی دیا اسے لشکریوں نے دل کھول کر لوٹا، اس وقت تک خان منگو کو اس قوم کے سر رار کی حیثیت سے دیکھا جاتا تھا، اس کے ذریعہ قبائل سے انگریز نامہ و پیام کرتا تھا اس پر بھی اعتماد باقی نہ رہا اس تمام ہنگامہ آرائی میں انگریز کو اس کا ہاتھ دکھائی دینے لگا، تو اس نے اس کانٹے کو درمیان سے نکال پھینکنا چاہا۔ چنانچہ خان منگو پر سازش

اور قبائل سے شرکت کا الزام لگا کر اسے مجرم گردانتے ہوئے ملک بدر کر دیا۔ وہ وطن سے بے وطن ہوا، مہجرت ملت کی سڑ میں انگریزوں سے اس سے اقتدار چھین لیا۔ کیش مکش جاری رہی، قبائلی آخر تک مقابلہ کر سکتے تھے، بالآخر صلح پر آمادہ ہو گئے تو انگریزوں نے سہانا کی پہاڑیوں میں اس جگہ سے جہاں سے دادی خانگی اور برسر ان زری جدا ہوتی ہیں فوجی چوکیاں قائم کرنے کا بنوک شمیر اقرار کرایا۔ قبائلی کسی طرح ان چوکیوں کی تعمیر کو پسند نہ کر سکتے تھے لیکن بنوک شمیر انہیں ان کی تعمیر کی اجازت دینا پڑی۔ انگریز لشکر ان چوکیوں کی تعمیر کے لئے روانہ ہوا۔ تو یہ لوگ بالکل خاموش دکھائی دینے لگے اور ۲۴ مارچ ۱۸۹۱ء کو ان چوکیوں کی تعمیر شروع کر دی گئی، اس وقت ان قبائلیوں نے انتقام لینے کا جو طریقہ استعمال کیا اس کی روئداد ایک انگریزوں بیان کرتا ہے۔

قبائلیوں کے تعلقات ہمارے آدمیوں سے بہت ہی خوشگوار دکھائی دے رہے تھے، اور وہ اپنے پوشیوں کو ہانکتے ہوئے اس طرح ہمارے لشکر میں لے آئے، جیسے انہیں چرلنے کے لئے جارہے ہیں، ہمارے آدمیوں سے گفتگو اور منہی بخول کرتے ہوئے۔ عین اس وقت جب کہ سپاہی بکھر کر ایک دوسرے سے جدا ہوئے ان پٹھانوں نے اپنا اپنے کپڑوں سے خنجر نکال کر دس یا اس سے زائد آدمیوں کو زخمی

یا قتل کر دیا، سکھ سپاہی سر اسیمہ ہو گئے اور اس ڈر سے بھی
فائر نہ کر سکے کہ کہیں ان کے ہاتھ سے وہ گائیں نہ ماری جائیں
جنہیں قبائلی پہلے ہی ان میں ہانک چکے تھے۔

۱۸۹۱ء | اپریل ۱۸۹۱ء میں ان قبائلیوں نے سہانا کی چوکی میں مقیم فوجیوں کو
موت کے گھاٹ اتارا، جس پر انگریزوں نے دوبارہ لشکر کشی کا فیصلہ

کیا۔ اس طرح میراں زئی کی دوسری مہم کا آغاز ہوا۔ نتیجہ وہی ظلم و ستم، بربادی و
بتاہی اور باحسہ بہ نوحہ و شتم و معار وں پر دستخط لے گئے۔ لیکن
اس دفعہ شرائط صلح میں تبدیلی، نرمی اور لالچ بھی شامل کر دی گئی۔ پہلے معاہدہ
میں جو قبیلہ خیل سے ۲۵ مئی ۱۸۹۱ء کو ہوا تھا، اس میں اقرار تھا کہ حفاظت
راہ کے لئے تین برج تعمیر ہوں گے۔ جن کی لاگت چھ سو روپے حکومت ادا کریگی
اس کے ساتھ نگرانی کرنے کو نو نو رقم مقرر ہوں گے، جنہیں حکومت ایک ہزار
آٹھ روپے سالانہ ادا کرتی رہے گی۔ دوسرا معاہدہ راجہ خیل سے یکم جون ۱۸۹۱ء
کو ہوا اور مذکورہ شرائط پر بھی دستخط ہوئے۔ پھر ۱۸۹۲ء میں اتنی ہی رسم
قبیلہ مشتی کے لئے اور چھ سو اڑتالیس روپے سالانہ شیخان کے لئے منظور ہوئے
۱۸۹۵ء میں اس رقم کو بڑھا کر ایک ہزار آٹھ روپے کر دیا گیا تھا، اور ماخیل
قبیلہ کو دو ہزار سو روپے سالانہ ملنے لگے۔ اور اس طرح میراں زئی کی دوسری
مہم کا خاتمہ ہوا۔

جون ۱۸۹۳ء میں بنی خیل کے لئے دو ہزار سول روپے سالانہ سٹورے خیل کے لئے پانچ سو روپے سالانہ مقرر ہوئے۔ اس طرح سے حاصل شدہ لین تین چار سال تک قائم رہا۔

۱۸۹۴ء میں درہ خیبر کی قضا کے دفتر نے لگی قبائلیوں کی پہلی جنگ آزادی اور افریدیوں سے انگریزوں کا اختلاف شروع ہوا اور کشمکش زور پکڑنے لگی تو اس کا اثر دوسرے قبائل پر بھی پڑا، اور یہ کچھ ایسی ہمد گیر موافقی کہ اس نے بالآخر پٹھانوں کی مشترکہ قومی جنگ کی شکل اختیار کر لی جس میں پہلی بار تمام پٹھان قبائل بیک وقت انگریزوں سے نبرد آزما دکھائی دیتے ہیں چنانچہ جب خیبر سے یہ افواہیں زیر بحث قبائل تک پہنچیں تو انھوں نے بھی اثر قبول کیا درہ کو ہاٹ کے ارد گرد کا علاقہ اور دادی کرم وغیرہ میں ٹپل شروع ہوئی اور بالآخر نے ایسی صورت اختیار کر لی کہ انگریزوں کو سرحد پر یقیناً شکر کو کمک پہنچانی پڑی۔ اس سلسلہ میں ۲۰ اگست ۱۸۹۴ء کو کوہاٹ سے دادی کرم اور سمانا میں یقیناً انگریزی لشکر کی امداد کے لیے افواج روانہ ہوئی۔ لیکن اس لشکر نے بلا ضرورت قبائلی علاقہ میں گشت شروع کر دی۔ ان حالات میں اشتعال پیدا ہونا ناگزیر تھا، قبائلی سمجھے کہ انگریز مزید حقوق حاصل کرنے کے لیے سب کچھ کر رہا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قبائلیوں نے سرحد ہر کی بازی لگا دی اور قبیلہ اورک زئی ۲۶ اگست کو ایراجم کو مقابلہ کیا کہ انگریز لشکر تاب مقابلہ نہ لاکر درہ البن کو خالی کر گیا۔ ۲۷ اگست کو کوہاٹ سے مزید لشکر نے آکر ایک دفعہ پھر شدت سے حملہ کرتے ہوئے دو مارہ درہ البن پر قبضہ کیا۔ لیکن اس لشکر کی واپسی پر راستے کے ہر پتھر کے پیچھے سے آگ بھتی

دکھائی دی۔ ادھر یہ ہنگامہ آرائی موری تھی ادھر اس قبیلہ اورک ری نے لاکھا اور سیفل درہ پر قبضہ کر لیا۔ ہنگو سے انگریز لشکر کو اس طرف دوڑایا گیا بالآخر یہ دونوں لشکر واپس ہنگو اور کوہاٹ جا پہنچے۔

اورک زبوں نے اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں اور ۲۰ اگست کو پھر انگریز سے ٹھٹھلی لی۔ لیکن اس وقت کوئی قابل ذکر مقابلہ نہ ہوا۔ البتہ جب یہ اطلاع ملی کہ اورک زبئی دادی کرم پر حملہ کرنا چاہتے تھے تو انگریز نے بڑی جلدی میں اپنے لشکر میٹھم سدہ کی امداد کے لئے تازہ دم لشکر روانہ کر دیا لیکن اس لشکر کے پہنچنے سے قبل ہی اورک زبئی بالیش خیل پر حملہ کر کے کافی نقصان پہنچا چکے تھے۔ اور پھر اچانک انھوں نے ۱۶/۱۷ ستمبر کی درمیانی شب کو سدہ پر حملہ کرتے ہوئے انگریزوں کو بے خبری میں جالیا اور کافی نقصان پہنچایا۔

ادھر یہ کشمکش جاری تھی کہ ادھر سمیان کے علاقہ میں بد امنی شروع ہوئی۔

۱۸ ستمبر کو انگریز نے لشکر روانہ کر دیا تاکہ ان قبائلیوں کو سر اٹھانے سے قبل ہی بایا جاسکے۔ لیکن پانی کی قلت نے انگریز لشکر کو کسی ایک طرف رخ کرنے نہ دیا۔ تو وہ قبائلیوں کے حملہ کے انتظار میں ہو بیٹھا۔ قبائلیوں کو علم ہوا تو اس لشکر کو اپنی جگہ چھوڑ انھوں نے ۱۷ ستمبر کو سر اٹھائی میں اس شدت سے حملہ کیا کہ اس جگہ کا ایک سپاہی بھی داستان غم سنانے کو باقی نہ بچا۔ ۱۷ ستمبر کو تقریباً دو صد سپاہیوں نے گلستان کی فوجی چوکی پر قبضہ کر لیا، ان حالات میں وادی کا میران زبئی کی طرف سے تازہ دم انگریز لشکر نے اقدام شروع کیا تو ۱۵ ستمبر کو قبائلیوں نے سر اٹھائی خالی کر دی اور گلستان کو چھوڑ کر چلتے رہے۔

اکتوبر ۱۸۹۷ء میں انگریزوں نے محاربہ تیراہ کا آغاز کرتے ہوئے قبائلیوں کو ہمیشہ کے لئے کچل دینے کا فیصلہ کیا، اس جنگ میں قریب قریب تمام قبائلیوں نے حصہ لیا اس وجہ سے اسے آزاد قبائل کی پہلی جنگ آزادی کہا جاتا ہے۔ بالآخر ۲۸ دسمبر کو اورک زئیوں کو صلح کر لینے پر آمادہ کر لیا گیا۔ شرائط صلح طے پا گئیں اور رسام کوئی معاہدہ نہ ہوا۔ ان قبائلیوں کے بموجب حق سرکار اول تو ضبط کر لینے کا علا ہوا لیکن اپریل ۱۸۹۷ء میں ان کی تمام واجب الادا رقمات ادا کر دی گئیں

۲۳ جون ۱۸۹۹ء میں حکومت نے قبیلہ راجہ خیل کے دو افراد **پانی خرید گیا** سیدن شاہ اور سید نظیر سے ان کے قبائلی ملاقات میں دھچکوں کے نصف حصہ پانی کو چار سو روپے کے عوض میں خریدا، تاکہ فورٹ لاک ہارٹ میں مقیم سپاہیوں کو پانی میسر آ سکے اور حق ملکیت بیچ دینے کے بعد قبائلی اس پر اپنا حق قائم نہ کر سکیں۔

قتل و غوریزی کے بعد قبائلیوں کو اپنے علاقہ میں چوکیاں بنانے **نئی چال** اودان میں انگریزی صرن سے اپنے ہی ہم قوم افراد کو مقرر کر دیا گیا۔ یہ ایک وقتی معاہدہ تھا۔ انگریز ان چوکیوں میں قبائلی افراد کو مقیم رکھ کر بھی اطمینان کا سانس نہ لے سکا تو اس نے پٹنیر ابد لا اور یوں تجویز پیش ہوئی کہ قبائلی ان چوکیوں میں بارڈر مٹری پولیس کو مقیم ہو جانے کی اجازت دیں

۱۔ اسکی مفصل روئیداد جلد اول میں ملے گی۔

۲۔ تفصیل کیلئے دیکھو اس کتاب کی جلد اول۔



درہ کوہاٹ کی آخری چوکی (شاخی)



اور ان چوکیوں میں مقیم قبائلیوں کو جو تنخواہ یا الاؤنس ملتا تھا وہ بھی بدستور ملتا رہا۔ قبائلی کیا کر سکتے تھے مجبوراً اس فیصلہ پر رضا مند ہو گئے۔ تو انھیں اس تعداد کیلئے جو اس وقت چوکیوں میں تقسیم تھی فی کس پانچ روپے ماہوار ادا کرنے کا فیصلہ ہوا۔ یہ رقم اس رقم کے علاوہ تھی جو موجب کے نام سے ادا کی جا رہی تھی اس کے بعد آہستہ آہستہ انگریزوں نے ان قبائلیوں کو خوش کرنے کی پالیسی اختیار کی۔ تا آنکہ ۳ جون اور ۱۱ اگست ۱۹۰۳ء کو بالترتیب علی خیل اور بالا خیل قبائل سے تعلقات پیدا کرتے ہوئے دونوں کیلئے جدا جدا ایک ہزار آٹھ روپے سالانہ موجب مقرر کر دیا۔

اس کے بعد ایک عرصہ تک کوئی قابل ذکر واقعہ ظہور پذیر نہ ہوا۔ معمولی کشمکش اور جھڑپوں کا فیصلہ باہمی گفت و شنید

جدید الزامات

سے ہوتا رہا۔ پھر ۱۹۱۲ء، ۱۹۱۳ء اور ۱۹۱۴ء میں اس قبیلہ کے خلاف ڈاکہ زنی کے الزامات لگائے گئے۔ لیکن یہ معاملات بھی آپس کی بات چیت سے طے ہو گئے۔ اور کوئی ناخوش گوار صورت حال پیدا نہ ہوئی۔ پھر جب سویم جنگ افغانستان کڑی لگی اور جرمنیل نادر خان نے قلعہ ٹل کی طرف اقدام کیا اور قبیلہ علی خیل نے جرمنیل موصوف کی امداد کی اور قبیلہ شہی خیل بھی انگریزوں کے خلاف شریک جنگ نظر آنے لگا۔ البتہ اس موقع پر انگریزوں کو دوسرے ادراک زنی قبائل کے خلاف شکایت پیدا نہ ہوئی تو ان کے موجب کی رقومات میں اضافہ کر دیا گیا۔ اس طرح راجہ خیل، اخیل، بیزوتی، اتان خیل، فیروز خیل، جرمنیل، منی خیل، سیاہ، ستوری خیل، علی خیل، بالا خیل

مشتی اور شیخان کو موجب کی رسم دو گنی ملنے لگی۔

پھر جب عجب خان اور مس ایس کے قضیہ میں قبائل سے اقرار لئے جانے لگے کہ وہ عجب خان کو اپنے علاقوں میں مقیم نہ ہونے دیں۔ مگر تو ۱۹۲۳ء میں اورک زبوں نے بھی انگریز کو ایسا ہی یقین دلادیا۔

انگریز کی نفاق پر وریا ایسی ابتداء ہی سے کارفرما رہی، اور اس پالیسی سے اس نے خوب فائدہ

شیعہ سنی اختلافات

اٹھایا۔ ایک قبیلہ کو دوسرے قبیلہ کے خلاف اور ایک با اثر شخص کے خلاف دوسرے با اثر شخص کو نبرد آزما کیا جاتا رہا۔ اور اس طرح انگریز اپنی مطلب برآری کرتا رہا۔ مسلمانوں میں اس اسلامی حکم کے باوجود کہ مشب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ فرقہ بندی کے جھگڑے شروع ہوتے۔ مذہب کے نام پر خود سریزی بھی ہوتی رہی اور بندگان اغراض نے ان فرقہ دارانہ مسائل کو وقتاً فوقتاً ہوا دیکر اپنے مقاصد پورے کئے۔ قبائلی علاقہ کی کثرت آبادی جنفی العقائد مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ لیکن ایک حصہ میں شیعہ خیالات کے لوگ بھی آباد ہیں۔ مذہبی جھگڑا تو یوں ہی چل رہے تھے۔ دونوں فرقوں نے ایک دوسرے کو کسی وقت اچھی نظر سے نہ دیکھا تو انگریز نے بھی حالات سے فائدہ اٹھایا، اس نے بھی ان اختلافات کو ہوا دی۔ اور ان ہی مذہبی اختلافات سے فائدہ اٹھا کر اس نے علاقہ کرم میں شیعہ سنی جھگڑے کی آڑ لیکر اپنی گرفت کو مستقل پایدار بنانے کی کوشش کی۔

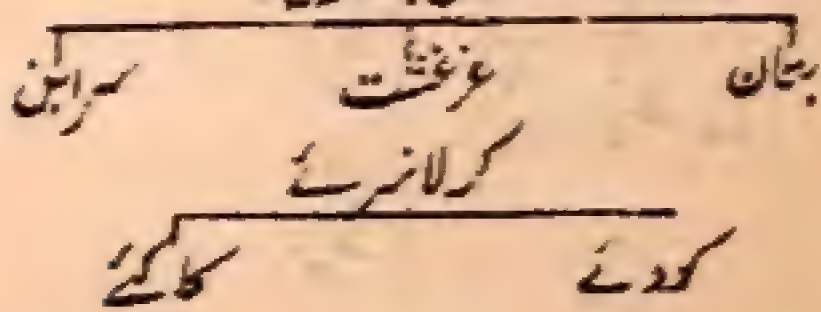
علی اس کی مفصل رویداد اسی کتاب میں کسی جگہ درج ہے۔

نہ ہوئی کہ جس سے ان کو خیالات کے پیر و مستقلاً آپس میں مل جل کر زندگی بسر کر سکتے
 محقر یہ کہ شیعہ اسنی کش کش نے ایک دائمی دشمنی کی شکل اختیار کر لی تھی تا آنکہ ۱۹۲۱ء
 میں ان اختلافات نے مکمل جنگ کی شکل اختیار کر لی، انگریز طر فین کو غفلت سلیاں دیتا
 رہا اور اختلافات بڑھتے رہے، یہ آگ مسلطی رہی تو ۱۹۲۲ء میں وادی مستورد
 کی شیعہ آبادی کو مار باہر نکال دیا گیا۔ اب انگریز کو حکم بھلا دیا خلت کا موقع مل گیا۔
 چنانچہ اس نے ۱۹۲۸ء میں انسان کر دیا کہ جس علاقہ سے شیعوں کو نکالا گیا تھا، دو انگریز
 کے زیر اقتدار تھا اور یہ کہ شیعوں کی حفاظت کی ذمہ داری انگریز کی ذمہ داری تھی۔
 اس طرح شیعوں کو ممنون احوان کرتے ہوئے پھر دونوں قبائل میں ۲۸ مارچ ۱۹۲۳ء
 کو اس شہر پر کھجوتہ کر دیا کہ جن علاقوں میں شیعہ ۱۹۲۴ء میں آباد تھے وہ ان علاقوں
 میں بدستور آباد ہیں۔ اس طرح امن قائم ہو گیا، اور ک زیر خاموش ہو گئے۔
 اور اس کے بعد کسی نہنگامہ آرائی کی اطلاع نہ ملی۔

۲۵ اگست ۱۹۳۶ء کو بر خیل اور بنی خیل قبیلہ نے ایک عہد نامہ کے ذریعہ
 سلیمان خیل ٹرک کے اس حصہ کی حفاظت اپنے ذمہ لے لی جو ان کے علاقہ سے
 گزرتی تھی

شجرہ نسب قبیلہ اورک زری

قیس عبد الرشید



شکل ورنک حسن دلازک اورک زری

ابتدائی سے اس قبیلہ کی قیمت دوسرے آفریدی قبائل سے وابستہ رہی

بنگش



بنگلش

اس مختصر سے قبیلہ کا ایک حصہ کرم ایجنسی میں آباد ہے تو دوسرا حصہ بنگلش ضلع کوہاٹ کے مقبوضہ علاقہ میں دکھائی دیتا ہے۔ ان کا حق ایک ذیلی قبیلہ بلند خیل ہی ہے جو حقیقتاً قبائلی علاقے میں ڈیرے ڈالے ہوئے ہے اس قبیلہ کی اعلیت کے متعلق وثوق سے کچھ لکھا نہیں جاسکتا، ایسے قدر قامت، رسم و رواج اور دوسرے ایسے ہی امور کے پیش نظر وہ پٹھانوں سے جدا نہیں دکھائی دیتا۔ لیکن قبیلہ کے بعض افراد اپنے آپ کو سید کہلانا پسند کرتے ہیں اور اگر ان کے اس دعوے کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر ان کا سلسلہ نسب پٹھانوں کے بجائے قریش سے جاملتا ہے، بہر حال کثرت آراء انہیں پٹھانوں میں ہی شمار کرتی ہے۔

۱۔ میاں جیت سے قبیلہ بلند خیل اتان زئی وزیر یوں کی شاخ کا بل خیل سے متعلق ہے۔ مارچ

۱۹۲۶ء میں جب وزیر یوں نے قبیلہ اتان زئی سے معاہدہ کیا تو اس میں بلند خیل کو بھی ۲۵۰۰ روپے سالانہ مواجب ملا۔

ڈاکٹر بیلو بنگش کو ترک کی النسل ظاہر کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ وہ سلطان بنگش کے ساتھ ۱۰۱۵ء میں اورتمپور کے ساتھ سوٹھویں صدی میں اس طرف آئے اور پھر یہیں مقیم ہو گئے۔

لیکن کثرت آبادی اپنے آپ کو قیس عبدالرشید کی اولاد ظاہر کرتی ہے۔ **گر اور سیل** ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ اس قبیلہ کے جداول کے ”گر اور سیل“ نامی دو لڑکے تھے۔ لیکن دونوں میں انتہائی درجہ کی مخالفت اور دشمنی کا رفاقتی۔ جس پر انھیں ”بنگش“ یا جڑ اکھاڑ نے والا (ربادکنندہ) کے نام سے پکارا جانے لگا جو بعد میں بگڑ کر بنگش بن گیا۔ بہر حال ان دونوں لڑکوں نے ایسی سیاسی حیثیت حاصل کر لی تھی کہ تمام قبائل دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک گروہ اور دو سکریل کہلاتے تھے اور اگرچہ جدید میں پل کر اس سیاسی جانب داری نے اپنی اہمیت ترک کر دی تھی۔ تاہم قبائل بطریق ذیل تقسیم دکھائی دیتے ہیں۔

سیمل :- نصف اورک زئی - نصف بنگش - ہمند - ملک دین خیل
سپاہ :- قمری زرخہ خیل :- اکھیل :- آدم خیل :-

گروہ :- نصف اورک زئی - نصف بنگش - خیل - کو خیل - قمر خیل

گر کی اولاد پھر لاو ذیلی قبائل میں تقسیم ہوئی (۱)، میران زئی (۲)، بیزی
... بیزے وادی کوہاٹ میں آباد ہیں۔ جبکہ میران زئی ان کے مغرب کی طرف
قیام پذیر ہیں اور وہ علاقہ اس قبیلہ کے نام سے ہی ”میران زئی“ کہلاتا ہے۔
سیل کی اولاد سیل زئی کوہاٹ کے شمالی علاقہ میں قابض ہیں اور اورک زئیوں کی پہاڑیوں کی حد پر شوزان تک نظر آتے ہیں

درہ کوہاٹ کے اعلیٰ نظامی آفیسر

ابتدائی ادراق میں ”نظم و نسق“ کے زیر عنوان ظاہر کیا تھا کہ درہ کوہاٹ کے ایک طرف کا کچھ علاقہ با قبائل ڈپٹی کمشنر پشاور کے زیر نظام ہیں تو دوسری طرف کے قبائل کا تعلق ڈپٹی کمشنر کوہاٹ سے ہے۔ ذیل میں ان ڈپٹی کمشنروں کے نام درج کئے جاتے ہیں جو قیام پاکستان سے اس وقت تک ان دونوں اضلاع میں فرائض سرانجام دیتے رہے ہیں:-

ڈپٹی کمشنر پشاور

- (۱) میجر ایس بی شاہ۔ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے ۳۱ اگست ۱۹۴۷ء
- (۲) خان بہادر حاجی احمد علی جان۔ یکم ستمبر ۱۹۴۷ء سے ۶ جون ۱۹۴۸ء
- (۳) خان بہادر ہدایت اللہ خان۔ ۷ جون ۱۹۴۸ء سے ۲ نومبر ۱۹۴۹ء
- (۴) میجر الہ داد خان۔ ۳ نومبر ۱۹۴۸ء سے ۱۸ دسمبر ۱۹۴۸ء
- (۵) خالص صاحب عطاء اللہ جان خان۔ ۱۹ دسمبر ۱۹۴۹ء سے ۱۸ جنوری ۱۹۵۰ء
- (۶) میجر الہ داد خان۔ ۱۹ جنوری ۱۹۵۰ء سے ۱۲ اگست ۱۹۵۰ء
- (۷) خان صاحب شیر افضل خان۔ ۲۱ اگست ۱۹۵۰ء سے ۱۱ جولائی ۱۹۵۲ء
- (۸) خالص صاحب عبدالرشید خان۔ ۲۴ جولائی ۱۹۵۲ء سے ۱۹ مارچ ۱۹۵۵ء
- (۹) خالص صاحب عطاء اللہ جان خان۔ ۲۰ مارچ ۱۹۵۵ء سے ۱۳ اکتوبر ۱۹۵۵ء

- (۱۰) خان صاحب عبدالرشید خان ۱۲ اکتوبر ۱۹۵۵ء سے ۹ نومبر ۱۹۵۶ء
(۱۱) سید فرید اللہ شاہ ۱۰ نومبر ۱۹۵۶ء سے فروری ۱۹۵۹ء
(۱۲) رویداد خان (موجود)

ڈپٹی کمشنران کوہاٹ

- (۱) خان بہادر نواب محبوب علی خان (مرحوم)
(۲) میجر راجہ الہ داد خان۔
(۳) خان محمد اسلم خان۔
(۴) خان بہادر ہدایت اللہ خان۔
(۵) مسٹر محمد مسعود۔
(۶) خان سعد اللہ خان۔
(۷) خان بہادر ہدایت اللہ خان۔
(۸) محمد جان خان۔
(۹) سید فرید اللہ شاہ۔ (موجود ۱۹۵۹ء)

استاد

۱۶۶۰، ۱۶۵۰، ۱۵۳۰، ۱۵۱۰	۱۸۹-۱۸۲-۱۷۷	باسی خیل	۱۷۷-۱۱۱-۱۰۸-۹۷
پایا۔ ۷۷، ۹۴، ۱۱۹، ۱۲۱	۴۳ - بنی طے	بالش خیل	۱۸۳-۷۸
پتاؤ کی جواکی۔ ۱۰۷	۷۷ - بوچی خیل	باقری خیل	۷۷-۷۷-۷۷-۷۷
پرنس آف ولینز ۱۳	۱۲۰-۹۳-۹۲-۷۳	بخارا	۳۵-
پستونئے۔ ۱۲۱	۱۲۱ - بوری چنیا	بخت نصر	۳۰-۳۷-۳۸
پشاور۔ ۵۰-۵۰-۵۰-۵۵	۱۱۱-۹۳-۷۸-۷۷	بدھ	۵۸
۷۷، ۹۳، ۱۱۲، ۱۲۷	۱۲۷-۱۱۲-۱۱۳-۱۱۷	بدھ میٹر	۱۰۸
۷۷، ۹۳، ۹۸، ۸۳، ۷۷	۱۲۷-۱۲۷	برخیل	۱۸۹-۱۸۷
۱۱۲، ۱۱۱، ۱۱۰، ۱۰۸، ۱۰۷	۹۹ - بہادر شیر خان	برکے۔ ۷۷	
۱۱۲، ۱۱۱، ۱۱۰، ۱۰۸، ۱۰۷	۴۰ - بھارت	برہان	۷۷
۱۵۷، ۱۵۵، ۱۵۳، ۱۴۹	۷۷ - بھائی خان خیل	بر محمد خیل	۱۷۷
۱۷۷، ۱۷۷	۷۷ - بینا خیل	برے کمیٹی	۱۵۴
پشتوا کیٹیجی ۳۷	۱۵۷ - بی اماں	بلاقی خیل	۷۷
پشتو ٹولونہ ۳۴	۱۱۷-۱۰۷-۹۷-۹۵	بلند خیل	۱۹۳-۷۲
پکٹیان ۳۰	۱۷۷-۱۷۷-۱۷۷-۱۷۷	بند خیل	۷۷
پگٹ۔ کپٹن ۱۸۱	۱۹۴ - بنیرے	بزگال	۱۶۰
پلو سین ۵۷	۱۹۴ - بیلو ڈاکٹر	بنگش	۵۷-۹۷-۹۷-۹۷
پنجاب ۱۶۰، ۷۷	پ	بنی اسرائیل	۱۱۷-۱۱۷-۱۱۷-۱۱۷
پنسلوانیا یونیورسٹی ۲۸	۳۳-۱۰-۷۳-۷۳	بنی اسرائیل	۱۱۷-۱۱۷-۱۱۷-۱۱۷
پیر وال خیل ۷۷	۱۵۷-۱۵۷-۱۵۷-۱۵۷	بنی اسرائیل	۱۱۷-۱۱۷-۱۱۷-۱۱۷

خانکے ۱۴۱-۱۴۹	۱۲۲، ۱۱۸، ۱۰۴، ۱۰۱، ۹۷	ت
خان ہنگو ۱۴۹	۱۴۹، ۱۴۰، ۱۳۹، ۱۲۵	تاترہ خیل - ۷۷، ۵۷
خنک - ۱۰۰ - ۱۱۱	تج	تاشی خیل - ۷۸
خلافت ۸-۱۳۰-۱۳۲-۱۳۳	چسغورڈ سکیم ۱۵۳	ترکے - ۱۲۱
۱۵۸-۱۵۶-۱۴۵	چورد ۱۴۲	تردنی ۱۱۱
خلافت عثمانیہ ۳۲، ۳۲، ۱۱۲	ح	تعلیم خیل ۷۸، ۵۷
خیل ۱۹۴	حبیب اللہ خان مسرہ حبش	تیراہ - ۱۳۷، ۱۲۸، ۱۲۳
خواجہ کمال الدین - ۱۵۵	حجاز ۴۳	۱۸۴، ۱۷۲، ۱۷۱
خواجہ محمد خان - ۱۰۰	حسن خیل - ۷۷، ۷۶، ۷۳، ۵۷	تیمور خیل ، ۷۷
خوشحال گڑھ - ۱۱۸، ۷۳	۱۳۹، ۱۲۹، ۱۱۷، ۱۱۴، ۱۱۱، ۱۱۰	ج
خیبر ۱۳، ۱۳، ۱۳، ۱۳، ۷۸	۱۴۹، ۱۴۷، ۱۴۶، ۱۴۳	جامو - ۱۲۰، ۹۴، ۹۲
۱۵۷، ۱۴۸، ۱۴۰، ۱۳۶	حضرت ابراہیم ۳۹-۳۸	جانا خواڑ ۷۷، ۷۷، ۷۷، ۷۷، ۷۷، ۷۷
۱۸۲-۱۷۲	۴۰-۴۵	جانی گڑھی ۹۳
و	حضرت طاہر ۲۹	جزیرۃ العرب ۴۳
دادو خیل - ۷۷	حضرت محمد ۴۵	جنفر شاہ میاں ۱۴۳، ۱۴۹
دانا خلد ۱۷۶	حیدر شاہ ۱۳۸	جلوزنی - ۱۱۱
درہمند ۱۷۷	خ	جمال الدین افغانی سید ۳۲
درگئی سر ۱۲۱	خالصہ دربار ۷۷، ۷۳، ۷۲	جمیعت علمائے ہند ۱۶۰
درمئے خیل ۷۸	۸۳-۸۱	جواکی - ۹۳، ۷۴، ۷۳، ۵۷

دریش خیل - ۷۷	رحیم داد خیل ۷۷	ستوری خیل ۱۸۷-۱۸۷
درہ البن ۱۸۲-۱۷۶-۱۷۵	رضا خیل ۷۸	ستار - ڈاکٹر ستر ۱۳۷
درہ کوہاٹ (دیکھو کوہاٹ)	رنجیت سنگھ - ۷۷-۹۰	سدرہ - ۱۸۳
دریا خان ۸۳-۹۱-۱۱۰	روحا - ۳۶	سرابن ۷۶
دلیل خیل - ۷۷	رولٹ المیٹ ۱۳۱-۱۳۵-۱۵۸	سرگندھی ۱۸۳
دوست محمد خان نواب ۵۶	رئیس الاحرار ۱۵۷-۱۵۸	سرلی خیل ۷۶
۱۵۷	(دیکھو مولانا محمد علی)	سرحد اخبار ۱۳
دولت خیل دولت زئی ۹۵	ز	سرخ پفلٹ ۱۳۳
۱۰۷-۱۷۲-۱۷۳	زخہ خیل - ۷۷-۱۹۲	سرخ پوش ۱۷۵
لہ	زرغن - ۵۷-۸۵	سرزمین بے آئین ۱۵۵-۱۵۶
راہہ خیل ۱۷۳-۱۷۸-۱۸۱	زرغن خیل - ۷۸-۹۲-۹۳	سرخ شہ ۱۰۳
۱۸۷-۱۸۷	۱۰۲-۱۱۲-۱۱۳-۱۱۷-۱۲۷-۱۲۹	سرست خیل ۷۶
راجگل - ۵۹	زرین خیل - ۷۷	سفید تھانہ ۵۵
راجوڑہ لار ۵۸	س	سلطان میر ۱۳۸
رام راج ۱۵۹	سبکگین - ۱۹۲	سلیمان خیل ۱۸۹
راولپنڈی ۱۵۵	سپاہ (تیراہ) ۹۹	سوانا ۱۸۰-۱۸۲
رادی دریا ۱۶۱	سپاہ ۹۵-۱۱۷-۱۷۲	سانحہ سرحد ۱۳
رحمت خان ادراک زئی ۹۲	۱۷۷-۱۸۰-۱۹۲	سندھ بستہ ۵۷
۹۶-۹۷-۱۷۲	سپکے - ۷۷	سنگر ۷۷-۱۷۲

ط	شہزادہ خان ۱۳۴-۱۳۵	سنوسی ۳۲
طلاخیل ۷۷	۱۳۶-۱۳۸-۱۴۰	سنی خیل ۷۸
طرابلس ۳۲-۱۶۲	شہزادہ ولیز ۱۵۸	سوراج پارتی ۱۶۳
طوتکے ۷۷	شینان ۱۸۸-۱۷۹	سورکی ۹۴
طور سپر ۱۰۲-۱۱۷-۱۲۱-۱۲۷	شیر باز خیل ۷۸	سید مرتضی بہادر ۱۶۳
طورکی ۹۴	شیر بہادر خان بنگش ۱۱۳	سیدن شاہ ۱۸۴
طیب خیل ۷۶	۱۱۷-۱۱۷	سید نظیر ۱۸۴
ع	شیر دل ۱۱۳	سیفل درہ ۱۸۳
عالم خیل ۷۸	شیر غشہ ۱۲۱-۱۲۰	سیلون ۶۰
عال چپوترہ ۵۵	شینہ دری ۱۳۸	سیل زری ۱۹۴
عبد الحکیم اشرف قاضی ۳۰۰-۳۰۷	ص	ش
۳۷-۳۷	صاحبان ۵۸	شاہ کوٹ ۱۲۰
عبد العزیز خیل ۱۷۷	صدیہ سرحد ۱۳-۱۲-۳۲	شرکی ۷۸، ۹۲، ۹۳، ۱۰۲
عبد القیوم سر صاحبزادہ ۱۶۷	۶۱-۶۳-۷۱-۷۲-۸۱	۱۱۵، ۱۱۷، ۱۲۹
عجب خان ۱۳۳-۱۳۸	۱۲۹-۱۲۸-۱۲۹-۱۵۳	شکیب خیل ۷۶
۱۸۸-۱۲۰	۱۵۷-۱۶۳-۱۶۲	شنکاری ۷۷
عراق ۳۸	۱۷۲	شوزان ۱۹۴
عطا محمد خان ۱۱۳	ض	شوکت علی مولانا ۱۲-۱۳۲
علم گدر ۵۹	ضربی ۱۲۹	۱۵۵-۱۵۶-۱۶۱

ک	علی ہرادران ۱۵۹ (در کھیو مولانا فیروز خیل ۸۰-۹۵-۹۷)	۱۰۷-۱۱۷-۱۲۳-۱۸۷	کابل ۷۱-۱۱۲
	شوکت علی محمد علی		کابل خیل ۱۹۳
	علی خیل ۷۸-۱۸۷	حفیق محمد خان سردار ۳۳	کاکے ۷۹
ق	علی شیر خیل ۱۷۵-۱۷۷-۱۸۰	قازق ۴۳	کالاباغ ۷۲-۱۱۰-۱۱۱
غ	غازی ایک ۱۴۸	قاسم خیل ۷۷-۷۹	کالاخیل ۶۳-۱۴۰-۱۴۹
	غازی خیل ۷۷	قائد اعظم { ۱۴۱-۱۴۱-۱۴۳	کامناری ۱۱۲
	غالب (شاعر) ۱۴۷	محمد علی جیلج	کانگریس انڈین نیشنل ۱۳۱-۱۴۰
	غرغشت ۷۹-۱۷۳	قصہ خوانی بازار ۱۴۸	۱۷۱-۱۷۲-۱۷۵
	غریب ۹۴	قلعہ گل ۱۸۷	کائے (مصنف) ۱۵۴
	غلام خیل ۷۹	قلعہ مسکن ۱۰۲-۱۰۳-۱۲۰	کڈسا ۱۷۴
	غنی (مصنف) ۱۵۴	قبر خیل ۷۷-۱۴۰-۱۹۴	کرلانے ۷۹
ف		قمرے ۱۹۴	کرم ۱۸۸-۱۹۳
	فتح محمد خان ملک بین خیل ۸۹	تنقیاتی ۴۳	کرمانا ۱۷۱
	فرانز کنشلیبری ۱۰۲-۵۶	قوانین جرائم مرحہ ۱۴۸-۱۵۳	کلرانی ۴۳
	فلسطین ۴۷-۴۷	فتیس عبدالرشید ۷۱-۷۱	کیبل - سرکوبن ۹۰
	فورٹ لاک ہارٹ ۱۸۴	۱۷۲-۱۹۴	کنڈاؤ ۷۳-۱۰۳-۱۰۴
	فوکس کپٹن ۱۳۳	قیمت خیل ۷۹	۱۲۰-۱۴۹
	فوکس مسز ۱۳۳		کوئل ۵۵-۸۶-۹۱-۹۳
			۹۵-۱۰۰-۱۰۲-۱۱۳

نیمپیر سر چارلس - ۸۳-۸۵	منڈا ۴۶	مرزا ۱۵۷
۸۶-۹۰	مندن ۴۶	مرید خیل ۷۷
نیک زن خیل ۷۸	منی خیل ۱۸۷	مسلم ایجوکیشن کالج لندن ۱۵۵
نیول کپٹن ۸۹-۱۸۱	مہمند ۱۹۴	مسلم لیگ ۱۳۱-۱۵۰
و	میاں خیل ۷۸	مشتی خیل ۱۴۹-۱۸۷
وادی بوری ۱۰۳-۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶	سیجر خیل ۷۷	مشکے ۷۷
۱۲۰	میران زئی ۱۹۴	مصری خیل ۷۷-۱۲۷
وادی جاناخوار ۷۷	ن	مغل بازخان ۱۳۷
وادی خانکے ۱۸۰	نادر خاں جنرل ۱۸۷	مقبر ۳۸
وادی کرم ۱۷۳، ۱۸۲، ۱۸۳	ناروخلہ ۱۲۱	ملکن فریڈرک ۱۰۲
وادی کوہی	ناسین ۱۷۴	ملا خیل ۷۸-۱۵۷
وادی مستورہ ۱۷۱، ۱۸۹	نبی خیل ۱۷۷، ۱۸۳، ۱۸۹	ملائمت گل ۱۴۹
وادی میران زئی ۱۷۱-۱۷۳	نبولین اعظم ۷۴	ملک باشو خان ۱۱۳
۱۷۴، ۱۸۱، ۱۸۲	نذر علی ۱۱۳	ملک جنگی خان ۱۷۷
وزیر آباد ۷۴	نرنگل ۱۷۷	ملک دین خیل ۱۲۰، ۱۹۴
دلی ۱۲۱	نوشہرہ ۱۱۶	ملک محمود خان ۱۷۷
ولی داد خیل ۷۷	نہرو جہاں لال ۱۷۱، ۱۷۲	ملک مشکی خان ۱۲۵
د	نہرو رپورٹ ۱۵۹-۱۶۰، ۱۶۱	ملک نعیم خان ۱۱۶
ہابیل ۴۶	نہرو موتی لال ۱۵۹-۱۶۳	نٹو مارے سکیم ۱۵۳

۱۱۳	لیبین	۱۵۳، ۱۵۶، ۱۵۸، ۱۵۹	ہجرت ۱۳۳-۱۳۵
۱۱۸، ۱۱۹	یوسفی الہ بخش	۱۸۳، ۱۸۴	ہری نگہ نلوہ ۴۷
۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۹	پونس خیل ۷۸	ہیت خیل ۷۶	ہندوستان ۸-۱۱-۱۳
		ی	۳۵-۳۸-۴۹-۵۰-۶۱
		یاغی خیل ۷۸	۶۲-۱۲۹-۱۳۲-۱۳۰، ۱۳۹

اشارة



اشاریہ (۲)

مرداران قبائل جنہوں نے انگریزوں سے محاندوں پر دستخط کئے۔

الف

۱۰۱ احمد خان

۹۴ اختر ملک

۹۴ ارسلان خان ملک

۱۰۸ اکبر حسین

۱۰۱ اکرم خان

۱۲۶ السی ملک

۱۰۱ امیر

۹۴ امین ملک

ب

۹۵ بہادر شیر خان

۱۲۶ بہاری ملک

۱۲۶ بہرام ملک

۱۰۱ بجورے خان

پ

۱۰۸، ۱۰۱ پائندہ خان

ت

۱۰۱ تاج خان

۱۲۶ تہران ملک

ج

۱۰۱ جعفر خان

۱۰۱ جمعہ خان

۹۵ جواہر علی

ح

۱۰۸ حسن خالد

۱۲۶ حمید ملک

۹۵ حمید علی

خ

۱۰۸، ۱۰۱ خان گل

۱۰۱ خان محمد

۹۴ خطرت شاہ

۹۴ خیر اللہ ملک

د

۱۰۱ دوست محمد خان

ر

۹۵ رستم علی

ز

۱۲۶ زرباز ملک

۱۲۶، ۱۰۴ زرین

س

۱۲۶ ساغر ملک

۱۰۱، ۹۴ سراج ملک

۹۴ سرکان ملک

۹۵ سینگ احمد شاہ

ش

۱۰۱، ۹۵ شاہ دل خان

۱۲۶ شندی گل ملک

۱۰۱ شیراز خان

محمد امین ۱۰۷	عمرے ۱۰۱	شیر باز ۱۰۱
محمد عالم ملک ۱۲۶	عوض خان ۱۰۸	شیر دل ۱۰۱
محمد مجیب ۱۰۱	ع	ص
محمدی ملک ۹۴	غازی ملک ۹۴	صاحب خان ۱۰۱
محمود خان ۱۰۱	غزن شاہ ملک ۱۲۶	صدر ملک ۱۲۶
مراد خان ۹۵	فتح خان ۱۲۶	صفدر علی شاہ ۹۵
موسیٰ خان ۱۰۷	فتح شیر ۱۰۷	صنم خان ۹۵
مشکی ۱۰۱-۱۰۸-۱۲۶	فقیر ملک ۱۰۸، ۹۴	ص
منگل خان ملک ۹۵	فوجدار ملک ۹۴	ضابطہ خان ۱۰۱، ۹۵
ملا خان ۱۰۱	فیروز ۱۰۱	ضمیر ملک ۱۲۶
منصور خان ۱۰۸	قادرے ملک ۱۲۶	ع
میاں بشیر ۱۰۱	قاسم ۱۰۱	عالم خان ۱۰۸، ۱۲۶
میران ۱۰۱	قدر ملک ۱۲۶	عالم دین ۱۲۶
میر شکار ۱۰۱	کنیز خان ۱۰۸	عالم شیر ۱۰۷
میرد ۱۰۱	گل خان ۱۰۱	عالم گل ۱۲۶
ن ۱۰۱	گل رنگ ۱۰۷	عبدالحسین ۹۵
نور اکرام ۱۰۸	گلستان ۱۰۱	عبد السیم ۱۰۸
نورے ۱۰۰	مجید خان ۱۰۷	علم دین ۱۲۶
ی ۱۰۱	محب اللہ خان ۱۰۱	عمر خان ۱۲۶
یار خان ۱۰۱		
یوسف ۱۰۱		

آزاد پیمانی

جلد اول

(مؤلفہ)

اللہ بخشے لوسی

سابقہ سکریٹری آل انڈیا خلافت کمیٹی بمبئی

(پیش لفظ)

مسٹر جسٹس شیخ محمد شفیع

سینئر جج۔ ائی کورٹ بنوریہ پاکستان پشاور

محمد علی ایجوکیشنل سوسائٹی کراچی اقبال کالونی

(قیمت ۸ لکھ)



(طبع ثانی)

عرضے حالے طبع ثانی

"تاریخ آزاد پٹھان جلد اول کے پہلے ایڈیشن کو تاریخ افغانہ سے دلچسپی لینے والے حضرات نے جس محبت و خلوص سے شرف قبولیت بخشا۔ اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ... عزت مآب جنرل ایوب خان کمانڈر انچیف افواج پاکستان (حال صدر مملکت) نے اسے "بہت ہی دلچسپ" قرار دیا۔ تو میجر جنرل اجیارالدین نے امریکہ میں مقیم ہوتے ہوئے مطالعہ کے بعد ہمیں بالتفصیل اپنی رائے سے نوازا۔ ان کے ساتھ ملت افغانہ کے قابل فخر فرزند مولانا عبدالقادر ایم اے ڈاکٹر پشتوا کیڈمی نے اسے "ایک کارنامہ" سے تعبیر کیا۔ تو مشہور پٹھان مورخ سید اٹال شنواری نے اسے "ناپاب مجموعہ" بتایا۔ سید فرید اللہ شاہ... پبلیکل ایجنٹ خیبر پختونخوا نے پسندیدہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے لکھا کہ کتاب کو دیکھ کر سرداران قبائل کے "چہرے چمک اٹھے تھے" تو دوسرے احباب و اخبارات نے بھی ہمت افزا تنقید کی۔ مزید برآں آنریبل مسٹر جسٹس شیخ محمد شفیع نے ناقدانہ انداز میں "پیش لفظ" لکھ کر کتاب کی افادیت میں اضافہ کرتے ہوئے ہمیں زیر بار احسان کیا۔

دوسری جلد کی اشاعت کا بندوبست کیا جا رہا تھا کہ بعض احباب کے اصرار پر کہ جنہیں پہلی جلد دستیاب نہ ہو رہی تھی۔ یہی فیصلہ کرنا پڑا کہ جلد اول کو محدود تعداد میں دوبارہ شائع کر دیا جائے۔ سو قدرے رد و بدل کے بعد حاضر خدمت کی جارہی ہے۔ اس میں تھوڑا سا اضافہ بھی کیا گیا ہے۔ اور پچاس سے زائد صفحات بھی بڑھا دیئے گئے ہیں۔ توقع ہے کہ اسے بھی وہی شرف قبولیت حاصل ہوگا۔ جو نقش اول کو ہو چکا تھا۔ کوشش کی جارہی ہے کہ تاریخ آزاد پٹھان کی "دوسری جلد" بھی جلد از جلد شائع کر دی جائے۔ اس سے دلچسپی رکھنے والے احباب اگر اپنے اسمار گرامی لکھ کر بھیجیں تو اشاعت پر انھیں بروقت مطلع کر دیا جائے گا۔

ناشرین

تاریخ آزاد پٹھان

جلد اول ۳۱۲ صفحات پر مشتمل ہے علاوہ ازیں

آرٹ پیپر پر ۱۹ تصاویر بھی شامل ہیں اور

خوبصورت رنگرزی

کتاب کی زینت کو اور بھی بڑھا رہا ہے!

کتاب مشہور کتب فروشوں سے دستیاب ہو سکتی ہے یا بطریق ذیل حاصل کی جاسکتی ہے

① دس روپے بذریعہ منی آرڈر روانہ فرما کر محمد علی ایجوکیشنل سوسائٹی تین تہائی کراچی شاخ کے معاون بن جائیے۔ سال بھر میں سوسائٹی کی طرف سے چھپنے والی تمام مطبوعات مفت بذریعہ رجسٹرڈ پوسٹ حاضر خدمت کی جاتی رہیں گی۔

② چار روپے بذریعہ منی آرڈر روانہ کر دیں تو تاریخ آزاد پٹھان جلد اول کی ایک جلد بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک روانہ کر دی جائے گی۔

③ اگر بذریعہ وی پی پی طلب کرنا چاہیں تو اطلاع ملنے پر کتاب ارسال خدمت ہوگی اور آپ صرف چار روپے آٹھ آنے ڈاکیہ کو دیکر کتاب حاصل کر سکیں گے۔

مُدْرَجَات

نمبر	مضمون	صفحہ	نمبر	مضمون	صفحہ
۱	عرض حال	۵	۱۰	پٹھان کی سیرت اور انگریز	۴۱
۲	پیش لفظ	۷	۱۱	انگریز کی ذہنیت	۴۵
	از مسٹر جسٹس شیخ محمد شفیع		۱۲	ہندوستانی پٹھان	۵۳
۳	تمہید	۱۷	۱۳	افغان یا پٹھان	۵۷
۴	تعارف	۲۲	۱۴	بنی اسرائیل	۵۹
۵	علاقہ ماورائے سرحد و پٹھان قبائل	۲۵	۱۵	آرین	۶۰
۶	موجودہ علاقہ میں آمد	۲۶	۱۶	افغان	۶۱
۷	پہاڑی علاقوں میں قیام	۲۷	۱۷	پٹھان	۶۹
۸	انگریز کی آمد	۲۸	۱۸	حاصل کلام	۷۲
۹	اقدام کی حکمت غنی	۲۹	۱۹	مذہب	۷۴

۱۳۹	پیداوار	۳۰	۷۶	دستور و آئین	۲۰
۱۴۱	راستے	۳۱	۸۰	لباس و اسلحہ	۲۱
۱۴۲	نظم و نسق	۳۲	۸۲	القابات	۲۲
۱۴۵	مواجب	۳۳	۸۳	خان، ملک	۲۳
۱۴۶	تعلیم	۳۴	۸۵	ازدواجی رشتے	۲۴
۱۴۶	طبی اعداد	۳۵	۸۵	تعلیم و تربیت	۲۵
	ساتویں صدی عیسوی	۳۶	۹۳	زبان و ادب	۲۶
۱۴۹	سے اٹھارویں کے وسط تک		۱۰۳	طبی اعداد	۲۷
۱۵۱	ابتدائی دور	۳۷	۱۰۴	ہمان نوازی	۲۸
۱۶۰	عہد مغلیہ	۳۸	۱۰۵	پیداوار	۲۹
۱۶۰	بابر	۳۹	۱۰۷	جرائم	۳۰
۱۶۱	ہمایوں	۵۰	۱۰۷	غیر مسلموں کے سلوک	۳۱
۱۶۲	اکبر اعظم	۵۱	۱۱۰	احسان کا بدلہ	۳۲
۱۶۳	فرقہ روشنائی	۵۲	۱۱۱	شجرہ نسب	۳۳
۱۶۵	جہانگیر	۵۳	۱۱۷	حاصل کلام	۳۴
۱۶۶	شاہجہاں	۵۴	۱۲۱	قیس کا شجرہ نسب	۳۵
۱۶۷	اورنگ زیب عالمگیر	۵۵	۱۲۲	قیس عبدالرشید (چچا نونکا شجرہ نسب)	۳۶
	اٹھارویں صدی عیسوی	۵۶	۱۲۸	خیبر ایجنسی	۳۷
۱۷۳	کے وسط سے ۱۸۳۷ء تک		۱۳۰	محل وقوع	۳۸
۱۷۵	نادر شاہ	۵۷	۱۳۲	رقبہ و آبادی	۳۹

۲۳۸	محاربہ دادی بازار دوئم	۷۷	۱۷۶	عہد افغانان	۵۸
۲۳۹	محاربہ دادی بازار سوئم	۷۸	۱۷۷	تیمور شاہ	۵۹
۲۴۰	لیورپ کی جنگ عظیم	۷۹	۱۷۸	سکھوں کی آمد	۶۰
۲۴۱	سوئم جنگ افغانستان	۸۰		پٹھانوں کیخلاں سکھ انگریز	۶۱
۲۵۶	قلعہ چورہ کی بربادی	۸۱	۱۸۵	اتحاد ۱۸۳۸ء، ۱۸۴۸ء	
۲۵۹	سوئم جنگ افغانستان کے بعد	۸۲	۱۹۱	اول جنگ افغانستان	۶۲
۲۶۵	کبھوری میدان	۸۳	۲۰۳	پٹھان اور حکومت برطانیہ	۶۳
۲۷۳	شلمان اور خیبریلیوے	۸۴	۲۰۷	قبائلیوں سے اخلاقات	۶۴
۲۸۱	قیام پاکستان	۸۵	۲۱۱	دوئم جنگ افغانستان	۶۵
۲۸۲	خلافت پارٹی اور مسلم لیگ	۸۶	۲۱۵	محاربہ دادی بازار	۶۶
۲۸۳	خلافت پارٹی	۸۷	۲۱۶	انگریز سفیر کا قتل	۶۷
۲۸۴	تحریک مسلم لیگ	۸۸	۲۱۷	معابدہ خیبر	۶۸
۲۸۶	سرحد میں قائد اعظم کی آمد	۸۹	۲۱۸	خیبر ایجنسی کا قیام	۶۹
۲۸۸	عموری دور حکومت	۹۰	۲۱۸	خیبر راقلز	۷۰
۲۸۹	پنڈت جواہر لال نہرو کی آمد	۹۱	۲۱۹	درہ خیبر میں آمد و رفت	۷۱
۲۹۳	قیام پاکستان	۹۲	۲۲۰	کمال خاں ملک دین خیل	۷۲
۲۹۵	دہشت پاکستان کے گورنر جنرل	۹۳	۲۲۲	درہ میں قابل ذکر شخصیتیں	۷۳
۲۹۵	" " صدر	۹۴	۲۲۶	قبائلیوں کی ابتدائی دشمنیں	۷۴
۲۹۵	" انقلابی حکومت	۹۵	۲۲۷	ڈیوڈنڈر لائن	۷۵
۲۹۶	" نمائندگان گورنر جنرل	۹۶			
۲۹۶	" پولیٹیکل ایجنٹ خیبر ایجنسی	۹۷	۲۲۸	محاربہ تیراہ	۷۶

فہرست تصاویر

۲	جنرل محمد ایوب خان	۱
۶	مسٹر جسٹس شیخ محمد شفیع	۲
۱۰	مولف اللہ بخش یوسفی	۳
۱۴	قائد اعظم مع پیغام	۴
۴۹	آزاد پٹھان قبائل	۵
۶۷	ایک آفریدی	۶
۱۰۱	ایک آفریدی گاؤں	۷
۱۰۱	درہ خیبر	۸
۱۱۹	قلعہ جبرود	۹
۱۱۹	قلعہ شاہی گئی	۱۰
۱۵۳	درہ خیبر کی سڑک	۱۱
۱۵۳	قلعہ جبرود کی سڑک	۱۲
۱۷۱	ریلوے اسٹیشن لنڈی کوتل	۱۳
۱۷۱	کاروان سرانے لنڈی کوتل	۱۴
۲۰۵	ملتان خان زخہ خیل، موت کے بعد	۱۵
۲۰۵	طورخم - پاک افغان سرحد	۱۶
۲۲۳	مولانا محمد علی جوہر	۱۷
۲۲۳	قائد اعظم محمد علی جناح	۱۸
۲۲۳	قائد اعظم آزاد پٹھانوں کے ساتھ	۱۹

دیگر مطبوعات

از اللہ بخش یوسفی

مختصر تاریخ کشمیر پیش لفظ، میان جعفر شاہ، سابق وزیر حکومت مرکزی پاکستان

روح عصر از اختر انصاری

منشورات قائد اعظم - شیخ محمد یوسف بنی، اے ڈی پبلو، ممبئی

مشاہدات و واردات - از عبدالرحمن خاں

سائنس و اسلام ترجمہ از مولانا سید اسحاق علی

حب الارشاد حضرت مولانا اشرف علی تھانوی

حیوۃ المسلمین - حکیم الامت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی

اسلام اور عقلیات جلد اول

اسلام اور عقلیات جلد دوم

(محصول ڈاکے معاف)

ملنے کا پتہ محمد علی ایجوکیشنل سوسائٹی ٹین بی کراچی

تاریخ آزاد پٹھان

انزالہ بخش یوسفی

جلد اول مطبوعہ ۱۹۵۸ء

چند آراء

جنرل محمد ایوب خاں صاحب مدد پاکستان
نے کتاب کو پسندیدگی کے نظر سے
دیکھتے ہوئے مولفے کتاب کو نقد
عطیہ سے نوازا

(کتاب تاریخ آزاد پٹھان کو) میرے نے بہت سے دلیچسپے پایا
* جنرل محمد موسیٰ خاں * لفٹیننٹ جنرل محمد اعظم خاں * میجر جنرل میا سید الدین

مولانا عبدالقادر ایچ ۱۷ء - ایم ۱۷ء - بی ایل - ایل ایل بی - ڈاکٹر پشتو اکیڈمی پشاور یونیورسٹی
(قبائلی علاقہ کے متعلق) میری نظر سے کوئی ایسی تحریر نہیں گذری..... تاریخ کو نہایت خوبصورتی اور اختصار
سے پیش کیا گیا ہے۔ قبائلی علاقہ تاریخ افغانستان اور ہند میں ایسا گھل مل چکا ہے کہ اسے جدا کر دیکھنا
بہت ہی دشوار نظر آتا ہے۔ یہ کام آپ نے کر دکھایا۔ اور میں تو اسے ایک کا نامہ سمجھتا ہوں۔
سید فرید اللہ شاہ - پولیسکال ایجنٹ خیبر پختونخوا - آج تک ان قبائل کو خونخوار، ظالم، قاتل اور رہزن

کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ آپ نے جس رنگ میں پیش کیا ہے اس کا جتنا بھی شکریہ ادا کیا جائے کم ہو گا۔ ... کتاب کو دیکھ کر سردارانِ قبائل کے چہرے چمک اٹھے تھے۔

ملک سید اختر شاہ شنوارمی (رئیس و مصنف خیر بجنسی) ... سیاسی اور تاریخی واقعات کا مستند اور مسلسل خلاصہ ہے۔ ... یہ مسئلہ کہ افغان یا پٹھان کون ہیں ہمیشہ متنازعہ رہا۔ اس سلسلہ میں آپ کی پیش کردہ تشریح ہر تشنہ ذوق علمی کے لئے قابل تسکین ہوگی۔ ... واقعات کا یہ خاکہ اس تصنیف کے علاوہ میسر آنا مشکل ہے۔

سید عبداللطیف شاہ (پیر صاحب زکوری شریف) تاریخ آزاد پٹھان نہایت دلچسپ، بے نظیر اور حقائق پر مبنی ہے۔

میاں حفیظ شاہ (سابق وزیر حکومت مرکزی پاکستان) ... پہلی بار آزاد قبائل کی تاریخ لکھ کر آپ نے پوری ملت پر احسان کیا ہے۔ ایسی کوئی کتاب اس سے قبل میری نظر سے نہیں گندی۔ چپاس کتابیں میرے نام روانہ کر دیں۔

بخت اسر خاں۔ (حاکم علاقہ طوطالی (ریاست سوات) آپ نے پٹھانوں کے متعلق جن امور کا ذکر کیا وہ موزوں، صحیح اور قابل قدر ہیں۔ آپ پر پٹھان جس قدر فخر کریں، کم ہے۔
مولانا محمد اسرار خاں۔ (مشیقہ اکیڈمی پشاور یونیورسٹی) اس موضوع پر ایسی مکمل اور صحیح کتاب اب تک فارسی اور اردو ادب و لہجہ میں نہیں لکھی گئی۔

قاضی محمد عیسیٰ خاں (سابق سفیر پاکستان برازیل) میں اس حیرت انگیز مساعی پر دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں
سردار محمد بہرام خاں (سابق وزیر اعظم ریاست خیرال) تاریخ آزاد پٹھان آپ کی محنت اور قابلیت کا بہترین ثمرہ ہے۔ بلاشبہ یہ پٹھانوں اور پاکستان کی ایک قابل قدر خدمت ہے۔

ملک احمد حسن خاں کیانی (سابق وزیر حکومت مرکزی پاکستان) جوں جوں پڑھتا گیا دلچسپی بڑھتی گئی۔

خان شبیر خاں (حاکم ڈگر علاقہ بونیر ریاست سوات) قابل داد معلومات کا مجموعہ ہے۔

فضل حق خاں شیدا (ڈپٹی سیکریٹری سٹی پشاور) آپ کی تصنیف واقعی اپنی قسم کی پہلی کتاب ہے۔ دیگر وغیرہ

تنصیر

ڈان کراچی، جنرل محمد ایوب خان صدر پاکستان نے تاریخ آزاد چٹان کو بہت ہی دلچسپ قرار دیا ہے مشہور خلافتی کارکن اللہ بخش یوسفی نے تاریخ افغانہ کے بکھرے ہوئے اجزاء کو یکجا کر دیا ہے۔ اس میں وہ تفصیلات درج ہیں جو مشکل ہی سے کسی دوسری جگہ دستیاب ہو سکتی ہیں۔ مصنف نے فرضی قصوں اور خیالی کہانیوں کی بجائے حقائق و واقعات کو اپنی زوردار طرز تحریر سے بیان کر دیا ہے۔

لیل و نہار لاہور، یہ امر افسوسناک ہے کہ ان غمور اور باہمت قبائل کے بارے میں ہمدردانہ نقطہ نظر سے کوئی محکمہ تاریخی دستاویز جس کی توقع ہموطن مورخوں سے بجا طور پر کی جاسکتی تھی، تیار نہیں کی گئی۔ (بکھرے ہوئے مواد کو) حقائق کی کسوٹی پر پرکھنا اور تاریخی دستاویز کی شکل دینا کسی قدر مشکل کام بھی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ابھی تک کوئی مستند تاریخ تیار نہیں کی گئی۔ مسٹر یوسفی نے زیر نظر تالیف میں اس مشکل کو آسان کیا ہے۔

ہمدرد کوہاٹ، اسے آزاد قبائل کی پہلی مستند تاریخ کہنا بے جا نہ ہوگا۔ یہ تاریخ کی اور پاکستان کی ایک قابل فخر خدمت ہے۔

جمہوریت پشاور، حقائق کو جس خوبصورت انداز سے یوسفی صاحب نے ادا کیا ہے وہ انہیں کاغذ ہے تاریخی حقائق کو نہایت محنت اور قابلیت سے بیان کیا ہے۔

شہباز پشاور، انگریزوں کی چہرہ دستیوں، چالبازوں اور پٹھانوں کے جذبہ اور جوش جہاد کا بالتفصیل ذکر کیا ہے۔

تنویر پشاور، صوبہ سرحد اور قبائلی علاقہ سے متعلق نہایت ہی دلچسپ اور دلآویز حقائق جمع کئے ہیں۔

ترجمان سرحد پشاور، یوسفی صاحب نے ان کے تمدن، معاشرت، روایات اور ان کی حریت پسندانہ زندگی کے متعلق تفصیلات جمع کر کے ایک ایسا قیمتی سرمایہ جو قابل قدر بھی ہے اور ناقابل فراموش بھی

ہمارا پاکستان شاد نہایت مفید اور سودمند معلومات سے لبریز ہے۔ اور اس موضوع پر اپنی قسم کی پہلی کتاب ہے۔

طلوع اسلام (کراچی) پٹھانوں کی شجاعت و مردانگی اور انگریزوں سے ان کی جنگ و غیرہ کی داستانوں کو بڑے دلنشیں انداز میں لکھا ہے۔

طلوع اسلام (لاہور) کتاب دلچسپ بھی ہے اور پر از معلومات بھی.... اس میں دوسروں کو تو ایک طرف شاید پٹھانوں کو بھی اپنے متعلق ایسی باتیں ملیں گی جو ان کی معلومات میں اضافہ کر سکیں گی۔

سید فلاح پورے یہ دور حاضر میں اپنی نوعیت کی پہلی کوشش ہے۔ اور اس لحاظ سے بے حد قابلِ داد ہے۔ جناب یوسفی نے قوم پر بڑا احسان کیا ہے۔ جس کے لئے ہم ان کے بے حد ممنون ہیں۔



محمد علی ایجوکیشنل سوسائٹی، تین بی بی کراچی ۵



JAUHAR PUBLICATIONS
The Man Behind
The War of Independence
1857

by S. LUTFULLAH M. A.
Foreword :- Prof. A. B. A. HALEEM

Al-Amin

by M. A. PICKTHALL

A. B. YUSUFI

تاریخ آزاد پٹھان جلد اول
مولفہ الہ بخش یوسفی
پیش لفظ مسٹر جسٹس شیخ محمد شفیع
زیر تیاری

کلام جوهر

سوانح مولانا محمد علی جوهر (انگریزی)
تاریخ آزاد پٹھان جلد سوئم
تاریخ بلوچستان جلد اول
سید جمال الدین افغانی
پہلا مسلم سائنس دان